

دی کلچرل اکیڈمی (رجسٹرڈ) جگجیون روڈ گیا

قائم شدہ سنہ ۱۹۶۳ء

ماہنامہ

آہنگ

گیا

شرح خریداری
ایک شمارہ
تین روپے

شرح خریداری
بارہ شمارے
چھتیس روپے

فون: ۴۳۲

چیف ایڈیٹر
کلام حیدری

ایڈیٹرز
نوشابہ حق، عبدالصمد

کتابت محمد مسعود عالم
امرولوی

محتویات

کشکول

مضامین

افسانے

انشائیہ

نظمیں

غزلیں

تبصرے

سواد و صوت

کشکول

"مجھے آج تک یہ پتہ نہ چلا کہ میں کون ہوں ـــ " بیدی

یہ بیدی کا جملہ ہے۔ اور اس سے اگر کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ یہ عجز و انکسار کا اظہار ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ حد سے زیادہ انکساری کا اظہار کرنے والا ان کی نگاہ میں شاید زیادہ خطرناک انسان ہوتا ہے۔

بیدی نے "حد سے زیادہ" انکساری سے کام نہیں لیا اور نہ اس نے اپنے آپ کو فنکار کا دوسرا روپ دیا۔ وہ تو بس جب قلم ہاتھ میں لیتا تھا تو اس کا قد اونچا ہو جاتا تھا خیالات اور افکار کی بلندیوں کی ... گہرائیوں کی اونچائیوں اور پستیوں کے ذریعے زندگی کے اسرار و رموز کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔

مرنے کے لئے بیدی نے جس دن کا انتخاب کیا وہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ پریس، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن ــ سب ملک کی وزیر اعظم کے سفاکانہ اور بہیمانہ قتل کی تفصیلات کو دن رات پہنچانے میں مشغول تھے۔ اس وقت بیدی نے دنیا کو خیرباد کہا ـــــ اور اس کی موت ایک معمولی سی خبر بن کر رہ گئی۔ حالانکہ بیدی عالمی ادب کا ایسا نام ہے جس کی حکومت کسی سرحد کی پابند نہیں۔ دلوں اور ذہنوں پر حکومت کرنے والا بیدی ـــــ کتنی انکساری کے ساتھ مرحوم ہو گیا۔

بیدی نے اردو زبان کو ... بڑھا کر دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے مد مقابل لا کھڑا کیا۔ مختصر افسانوں کو عالمی معیار سے ہم کنار کیا ... دنیا کوئی ایسا کارنامہ نہیں ہے جسے ایک لمحے کے لئے بھی بھولا جا سکے۔ بیدی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مختصر افسانوں کی بنا پر بھی عالمی ادب میں اپنی جگہ بنائی جا سکتی ہے، کوئی ضروری نہیں کہ ہزاروں صفحات کے ناول لکھ کر ہی کوئی بڑا ادیب ثابت ہو جائے۔

بیدی!

تم لاجونتی ہو یا لاجونتی کے شوہر ہو؟

سچ تم نے ہمیں بھی یہ پتہ نہیں چلنے دیا کہ تم کون ہو؟

تم نے اردو افسانوں کے لئے اونچے معیار کی اتنی بڑی ذمہ داری ہم پر ڈال دی ہے کہ ہم تم سے بگڑے ہوئے ہیں اور تمہیں کوستے ہیں کہ تم اتنی بڑی ذمہ داری ہم پر ڈال گئے ہو کہ ہم سے اتنے قد کو رکھنا محال ہے چہ جائیکہ ہم اسے اور اونچا کریں

بیدی صاحب!

آپ ہمیں بتا تو جاتے کہ ہم آپ کے بعد کیسے جئیں؟ کیسے پہچانے جائیں کہ ہم آپ کے وارث ہیں؟

ہمارا سلام لیجئے اور یقین کیجئے کہ آپ چاہے پلٹ کر یہ پوچھیں کہ "آپ کیوں ہیں، یعنی کہ آخر کیوں؟"

تو ہم جانتے ہیں کہ آپ کیوں تھے

البتہ ہم اپنے آپ سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر ہم کیوں ہیں؟

ـــ کلام حیدری

فیضؔ ہم سے رخصت ہو گئے۔

ہم نے فیضؔ کو نہیں دیکھا۔
اُن کو دیکھنے والوں اور ان سے ملنے والوں پر ہمیں رشک آتا ہے!
مگر اُن کی شاعری سے ہماری ملاقات ہے بلکہ بڑی گاڑھی چھنتی ہے' یہ کوئی ہمارا کمال نہیں ہے' یہ فیضؔ کے لہجے میں کھینچ لینے والی صفت ہے۔
فیضؔ ترقی پسند تھے!
فیضؔ مارکسسٹ تھے!
فیضؔ دُنیا سے غربت کو ختم کر دینا چاہتے تھے!
فیضؔ انقلابی تھے!
فیضؔ نے جیل کی صعوبتیں جھیلی تھیں!
ان میں سے ہر بات فیضؔ کی قدر دانی کے لئے کافی ہے۔
لیکن فیضؔ نے اپنی شاعری کو نہ انقلابی نعرہ بننے دیا نہ جیل اور جیل دینے والوں کو شاعری میں کوسا' شاعری کو فیضؔ نے شاعری رہنے دیا۔ شاعری کی نزاکتوں اور لطافتوں پر زندگی کی کڑی دھوپ نہیں پڑنے دی۔
فیضؔ نے اُردو شاعری کو تخلیق کے مرتبے سے نیچے نہیں آنے دیا۔
سنہ ۸۴ء نے اُردو کو کتنا غریب کر دیا ہے!

______ کلام حیدری

ڈاکٹر محمد مثنیٰ

اردو شاعری کا سرخ پھول —— کیفی اعظمی

یہ بات بہت پرانی ہے، اتنی پرانی کہ اس کا خیال آتے ہی ذہن اسکول کی فضاؤں میں بھٹکنے لگتا ہے، میں اسوقت اسکول کی کسی جماعت کا طالب علم تھا۔ انہی دنوں اردو شاعری میں ایک سرخ پھول کھلا تھا۔ یہ بات سجاد ظہیر نے کیفی عظمی کے لئے "جھنکار" کے دیباچہ میں اُن کا تعارف کراتے ہوئے کہی تھی۔ اُن کی نظمیں اس زمانہ میں سمجھ تو کیا سکتا تھا مگر گنگناتا ضرور تھا۔ جب مجھے یہ پتہ چلا کہ وہ ہم لوگوں کے بزرگ اور محترم عزیز جناب فتح حسین کے بیٹے ہیں تو ایک حیرت آمیز خوشی کا احساس ہوا کیونکہ وہ میرے والد کے دوستوں میں تھے۔ کالج میں پہنچا تو ان کے خالہ زاد بھائی سے دوستی ہوئی اور ان کی زبان سے کیفی صاحب کی زندگی اور شاعری کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں، بمبئی کے ہفتہ وار قومی جنگ اور "نیا زمانہ" میں ہنگامی موضوعات سے متعلق اُن کی نظمیں اکثر شائع ہوتی تھیں اور مجھے وہ ان دنوں اچھی لگتی تھیں۔ آج اُن کی ادبی اہمیت کے تعین میں ان نظموں کا کوئی حصہ نہ ہو مگر ان کی ملک گیر شہرت کی تعمیر اور ان کے سماجی شعور کی توسیع میں ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

کیفی صاحب کے والد نے ان کو لکھنؤ کے شیعہ مذہب کالج سلطان المدارس میں عالم دین اور ذاکر حسین بننے کے لئے بھیجا مگر یہ حضرت جب وہاں سے نکلے تو اشتراکی خیالات سے متاثر تھے بمبئی کے کمیونسٹ اردو ہفتہ وار میں کام کرنے کے لئے چنے گئے تو ایک مخلص کمیونسٹ کارکن کی حیثیت سے ابھرے اور ان کا شمار ترقی پسند تحریک کے اہم اور نمایاں علمبرداروں میں ہونے لگا۔ ان کو پہلی بار دیکھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب الہ آباد میں ال انڈیا نیوز پیپرز ایڈیٹرس کانفرنس میں وہ اپنے رہنما سجاد ظہیر کے ساتھ آئے۔ اس کانفرنس کی صدارت اس وقت کے نہایت بے خوف اور لاگ صحافی سید عبد اللہ بریلوی کر رہے تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی دعوت پر سجاد ظہیر صاحب ہندی اردو ہندوستانی پر تقریر کرنے کے لئے آئے کیفی بھی ساتھ تھے تقریر کے بعد ان سے نظمیں سنانے کی فرمائش کی گئی، انھوں نے "تاج" سنائی۔ ان کی آواز کی گمبھیرتا اور ہر لفظ پڑھنے کا باوقار انداز آج تک ذہن پر نقش ہے۔ ایسی پرکشش آواز اور پڑھنے کا ڈھنگ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ان کو دیکھنے اور ان کا کلام سننے کا موقعہ تو ملا لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ سعادت مجھے اس وقت حاصل ہوئی جب تین چار سال بعد بمبئی جانے کا اتفاق ہوا،

ابھی میرا ایک دن شاہد لطیف صاحب کے یہاں گیا تو تھوڑی دیر تک ان کے ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا کیونکہ وہ اس وقت نہا رہے تھے بالکنی میں ایک جوان سال شخص کو گہرے خیالات میں محو دیکھا، بال بکھرے بکھرے، چہرے سے بے نیازی کا اظہار ہو رہا تھا، تھوڑی دیر تک ذہن پر زور دے کر پہچاننے کی کوشش کی کیونکہ شکل جانی پہچانی سی لگ رہی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اتنے میں شاہد لطیف صاحب آ گئے اور تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ کیفی اعظمی ہیں۔ بڑی رسمی اور مختصری گفتگو کے بعد وہ پھر اپنی دنیا میں کھو گئے۔

چند روز بعد مغل مسجد کے پھاٹک پر کئی ادیب اور شاعر بھی نظر آئے کسی دوست کے نکاح کی رسم میں شرکت کے لئے آئے تھے اور انتظار کی الجھن سے نجات حاصل کرنے کے لئے گپ بازی میں مصروف تھے۔ سردار جعفری پھاٹک پر کندہ کتبوں کے سلسلہ میں ناوم سیتاپوری سے باتیں کر رہے تھے۔ کیفی صاحب سب سے الگ پاس کی ایک دوکان میں بیٹھے کسی سوچ میں کھوئے ہوئے نظر آئے۔ میرے ایک عزیز نے مجھے اُن سے ملایا تو دو چار جملوں کے بعد پھر کہیں کھو گئے۔ میں نے سردار جعفری سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو ان سے میرا تعارف کرانے کے بعد اپنی خاموشی کی دنیا میں پھر واپس چلے گئے۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ اُن کا جو خاکہ میرے ذہن میں بنا رکھا تھا اس سے اُن کے اس رویہ کا کوئی ربط نظر نہیں آتا تھا۔ مجھے یقین سا ہو چلا کہ حضرت خود بیں اور لئے دیئے قسم کے آدمی ہیں انھیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دینے میں اپنی بھی خیر نظر آئی۔

ایک دن وحشی جون پوری ساتھ طہ انصاری صاحب سے ملنے گیا۔ وہ آفتاب کے دفتر میں رہتے تھے وہاں علی گڑھ کے ایک ساتھی سے ملاقات ہوئی جن سے ملاقات محض دعا سلام تک محدود تھی۔ یہ تھے مسعود صدیقی جو میرے ہی زمانہ میں سر سید ہال میگزین کے ایڈیٹر تھے اور خلیل الرحمن اعظمی کے کہنے پر میں نے بھی اس میگزین کے لئے ایک مقالہ لکھا تھا۔ وہ ان دنوں اخباروں کے لئے لکھتے تھے اور اسی سلسلہ میں آفتاب کے دفتر میں نظر آ رہے تھے، وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے فلیٹ پر لے گئے۔ پوچھا کیفی صاحب سے ملے ہو، میں نے تاثرات کا بر ملا اظہار کر دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر اندر چلے گئے۔ لوٹ کر آئے تو کیفی صاحب بھی ساتھ تھے معلوم ہوا کہ وہ بھی ان ہی کے ساتھ مستقل قیام پذیر ہیں۔ اس دن کیفی صاحب بہت کھل کر ملے میرے ذاتی حالات پوچھتے رہے اور میرے مسائل میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ بڑی قربت کا احساس ہونے لگا اور اندازہ ہوا کہ متانت اور خاموشی ان کے مزاج کا فطری عنصر ہے بعد میں مجھے ان کے تحمل پر رشک آنے لگا۔ دوسروں کی باتیں جس صبر و سکون کے ساتھ وہ سنتے ہیں اور سن کر برداشت کرتے ہیں، وہ کچھ انہی کا حصہ ہے اُن کی شخصیت کا یہ وصف میں نے بہت کم لوگوں میں پایا ہے۔ وہ بات کم اور کام زیادہ کرنے کے قائل ہیں۔

کیفی بھائی کی تاکید پر میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرنے لگا تھا۔ ایک دن انھوں نے مجھے بھی انجمن کے جلسہ میں مقالہ پڑھنے کے لئے کہا۔ فیروز آباد کے مزدور ہڑتال پر تھے اور ان کی رہائی کے لئے جد و جہد کا سلسلہ جاری تھا۔ اسی جد و جہد کے تحت مجھے بھی کسی شاعر پر مضمون لکھ کر جلسہ میں سنانا تھا۔ میرے پاس اُن کا کچھ بھی کلام نہیں تھا۔

تو انھوں نے ادھر ادھر سے ان کی بہت سی غزلیں فراہم کر کے میرے حوالہ کر دیں اور مجھے مضمون لکھ کر جلسہ میں پڑھنا ہی پڑا ، راجندر سنگھ بیدی نے بھی اسی جلسہ میں ایک مضمون مجروح کی شخصیت پر سنایا تھا جلسوں کیفی بھائی عام طور پر کم بولتے تھے لیکن جو کچھ کہتے تھے اس میں یقین و اعتماد کی جھلک صاف نظر آتی تھی ۔ ان کی بے غرض جد و جہد اور اعتقاد لگن کے باعث سارے ادیب اور فن کار انھیں احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کی پر وقار شخصیت کے اثر سے انجمن کے جلسوں میں خاصے نظم و ضبط کا احساس ہوتا تھا ۔ کبھی کبھی رفعت سروش اور ان کے دوست جب موڈ میں ہوتے تو خد ۔ انصاری کو خاص طور پر اپنے طنزیہ فقروں کا ہدف بنانے کی کوشش کرتے ۔ ایسے موقعوں پر کیفی صاحب کا ایک لفظ یا اشارہ ان لوگوں کو چپ کرانے کے لئے کافی ہوتا ۔ ۔ ۔

بمبئی سے لوٹ کر آیا تو غم دوراں کی کشاکش نے غم پنہاں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ دی ایک لمبے عرصہ تک کیفی صاحب سے ملاقات کی نوبت ہی نہیں آئی لیکن ان کے خیال سے غافل رہنے کا سوال بھی نہیں تھا ۔ ان پر فالج کے زبردست حملہ کی خبر سن کر انتہائی دکھ ہوا اور موت کے منہ سے بچ کر اس طرح آ نے کا حال جان کر غیر معمولی خوشی بھی ہوئی ۔ ان کے جیسے متحرک اور فعال انسان کا مفلوج ہو جانا عجیب سا لیکن حقیقت تو اکثر عجیب ہی ہوتی ہے ، جب گیا میں ترقی پسندوں کا کنونشن ہوا تو اچھے اچھوں کی ہمت جواب دے گئی لیکن اس گرمی اور تپش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کیفی اعظمی بیسا کھیوں کے سہارے اپنی رفیقہ حیات شوکت کیفی کے ساتھ گیا پہونچ ہی گئے میں حیرت زدہ رہ گیا ۔ ان کو دیکھ کر انہی کا ایک مصرع یاد آگیا ،

جی خوش تو ہو گیا مگر آنسو نکل پڑے

کنونشن میں ، باوجود اپنی جسمانی معذوریوں کے بھرپور حصہ لیتے رہے

کئی برس بعد بھوپال میں اُن سے ملاقات ہوئی ، آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگرام میں ان کے ساتھ ایک بات چیت کے پروگرام میں میں بھی شامل تھا ، میں نے ان سے خاص طور پر ترقی پسند تحریک کے موجودہ مسائل پر سوال کیئے ، جدیدیت کے میلان نے تحریک کے سامنے جو سوالات پیش کر دیئے ہیں ، ان کے بارے میں ان کے تاثرات اور خیالات اور رد عمل کی وضاحت چاہی ۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا اس سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان کے نظریات اور تصورات میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے ، تحریک کے ساتھ وابستگی میں پہلی ہی جیسی استواری اور استقامت موجود ہے لیکن جب انھوں نے اپنی نظمیں سنائیں تو میں ان کے طرز احساس و اظہار میں نمایاں تغیر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا ۔ اُن کی نئی تخلیقات میں بڑی تازگی اور دلر فتگی کا احساس ہوتا ہے ، اس سے ان کے زندہ احساس اور تابندہ فکر کا پتہ چلتا ہے ، آج جب اُن کے بیشتر ہمعصر تھک کر اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں کیفی اعظمی نئی فضاؤں میں پرواز کرتے نظر آ رہے ہیں

کئی مہینوں پہلے ایک دن لکھنؤ میں نسیم سہیلی کی کتابوں کی دکان پر جا نکلا وہاں اچانک کیفی بھائی سے

ملاقات ہوگئی۔ کہنے لگے بھئی خوب ملاقات ہوئی ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ میرے ایک عزیز شاگرد ان کی شاعری پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان سے ایک انٹرویو کی درخواست کی کہنے لگے ادھر رجحان میں زیادہ رہوں گا اس لئے خط سے مطلع کرکے دہیں ان کو لے جاؤ تو اطمینان کے ساتھ انٹرویو دوں گا "جھنکار" آجکل دستیاب نہیں ہے اس وقت کا ذکر کیا تو بولے کہ کہیں نہ کہیں سے وہ بھی فراہم کر دوں گا۔ ادھر وہ اپنے تخلیقی عمل کی جانب یکسوئی کے ساتھ مائل ہو گئے ہیں اور فلمی مصروفیتوں سے آزادی حاصل کر کے اپنے اصل فن یعنی شاعری کی دیوی کو زیادہ سے زیادہ وقت اور توجہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ تبدیلی اردو ادب کے حق میں ایک نیک فال ہے

چند روز پہلے ٹیلی ویژن پر کیفی اعظمی کے فن اور شخصیت سے متعلق ایک اچھا فیچر دیکھنے کو ملا اس میں ان کی جو نظمیں سننے کو ملیں وہ بلاشبہ ان کے ارتقائے شعور کا مظہر تھیں کاش ! سجاد ظہیر صاحب زندہ ہوتے اور اردو شاعری کے سرخ پھول کی آب و تاب دیکھ کر خوش ہوتے۔ کیفی اعظمی نئی نسل کے لئے ایک INSPIRATION ہیں ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ان میں خاموشی کے ساتھ کام کرنے کی جو لگن، اپنے آدرش کے لئے استواری کے ساتھ جو وفاداری، اور اپنے فن کے ساتھ جو ایمانداری پائی جاتی ہے اس سے نئی نسل بہت کچھ سیکھ سکتی ہے

صفحہ ۲۹ کا بقیہ۔ کیمرا گندی نالی کا

پردہ ہٹ گیا تھا! وہ کمرے سے نکلنے سے قبل ایک لمحے کے لئے دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ اس وقت بھی اس کے کانوں میں حمیدہ کی آواز گونج رہی تھی۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے بعد شاید وہ دعا مانگ رہی تھی

اے میرے مالک اس روٹی کے لئے تیرا بہت بہت شکریہ" اسکی آواز اظہار تشکر کی غماز تھی مجھے اس جہنم سے نکال دے میرے مولا ! یہاں کی ہر چیز غلیظ ہے یہاں کے عجیب و غریب [illegible] جسم کو پھوڑا بنا دیا ہے ...... میرے مولا مجھے یہاں سے نکال ...... میرے ......

کلن کے حکم کی تعمیل میں نوکر اسی وقت حمیدہ کی ماں کو بلانے دوڑ گیا۔ اب [illegible] تھی۔ وہ اسکی موجودگی میں حمیدہ کو طلاق دینا چاہتا تھا، ابھی اور اسی وقت ــــ تاکہ حمیدہ [illegible] ہو سکے کہ اس کی دعا کس قدر جلد مستجاب ہو سکتی ہے!!

صفحہ ۱۸ کا بقیہ

جا سکتی ہیں مگر مضمون کی طوالت کے مدنظر، ان اشعار سے ایاق کے آئینے میں احساس کو اجاگر [illegible]

رہنمائی پہ ناز تھا جن کو، | وہ قدم بھی نہ میرے ساتھ [illegible]
کفر کے ایمان کی تو کمر ڈالی، | [illegible] کی کھلتی [illegible]

ڈاکٹر عبدالمنّان

کلام حیدری کی تنقید نگاری

کلام حیدری اردو ادب میں ایک معتبر نام ہے۔ ان کا اصل میدان افسانہ نگاری ہے۔ اور فن افسانہ نگاری کی مشاطگی میں زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ ظاہر ہے جب فنکار کا میلان طبع افسانہ نگاری کے کوچہ میں طواف کرکے جیئے خیالات و افکار کے نگار خانے سجاتا ہو اور اپنی غایت توجہ سے اس فن کی آرائش کے فرائض انجام دیتا ہو تو وہ دوسری اصناف کا دعویدار نہیں ہوتا۔ لیکن اردو ادب کی دنیا میں ایسے بے شمار فنکار ملیں گے جنھوں نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا جس صنف سے کی، غایت میلان نہ ہونے کی بنا پر کنارہ کش ہوئے اور اس صنف میں پناہ لی جہاں اپنے مزاج و افتاد کا جوہر دکھا سکتے تھے۔ کلام حیدری صاحب تقریباً ۲۵ سال سے ادب کی خدمت انجام دیتے چلے آرہے ہیں لیکن انھوں نے خاص توجہ افسانہ نگاری کیطرف صرف کی ہے اب تک چار افسانوی مجموعہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ "بے نام گلیاں"۔ "صفر" "الف لام میم"، "دگولڈن جبلی" یہ بحث بڑی طویل ہے کہ ان تینوں مجموعوں کے دوران افسانہ نگاری کی فکری و فنی سطح پہ کتنی تبدیلیاں پیدا کیں اور اپنے مشاہدے کا کس طرح مظاہرہ کیا۔ فی الحال یہ میرا موضوع نہیں۔ مجھے یہ دیکھنا مقصود ہے کہ افسانے کی دنیا میں اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی منزلیں طے کرنے والا فنکار جب تنقید نگاری کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اپنی قابلیت اور منفرد زاویۂ فکر سے اردو تنقید کو نئی سمت و جہت عطا کرتا ہے

کلام حیدری صاحب کی تنقید نگاری کا جائزہ لینے کیلئے ان مقالوں کیطرف توجہ مبذول کرنا ہوگی جو موقع بموقع مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اور آہنگ کے ان تمام شماروں کے اداریے کی ورق گردانی کرنا ہوگی جو ان کی ادارت میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آہنگ اردو ادب کا معیاری اور باوقار ادبی رسالہ ہے جو صرف کلام حیدری صاحب کی تسکین طبع کی وجہ سے پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے نہ تو پیسے کمانا مقصود ہے اور نہ شوق شہرت۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی دوست سے یہ درخواست نہیں کرتے کہ اس رسالہ کی سالمیت کے لئے اسے خرید کر پڑھتا ہے اور مزید خریدار بناتا ہے قدرت نے انہیں اردو ادب کی بے لوث خدمت کا جذبہ عطا کیا ہے اسی لئے

ذوقِ ادب کی تسکین کی خاطر آہنگ اور موج چہ نکالتے ہیں۔ آہنگ کے اداریہ میں اردو ادب کے مختلف گوشوں پر جس انداز سے بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے اور جو بیباک خیالات پیش کئے ہیں انھیں ایک مجموعی شکل بھی عطا کی گئی ہے۔ مزامیر کا نام دیا گیا ہے۔ نوشابہ حق صاحبہ نے ترتیب دیا ہے۔ اور گزارشات مرتب کے عنوان سے چند خیالات بھی پیش کئے ہیں۔ مزامیر سے متعلق ان کے خیالات درج ذیل ہیں۔

"مزامیر کو میں نے مرتب کیا ہے اور پہلی بار یہ فخر مجھے ہی حاصل ہوا ہے کہ میں کلام حیدری کی تحریروں پر یہ پیش لفظ لکھ رہی ہوں۔ ڈر ہے ان کا شایہ کچھ نہ بنے میرا بگڑ جائے۔ اسکا اندیشہ مجھے ہے۔ میں نے آہنگ سے صرف ان ہی تحریروں کو جو مزامیر کے عنوان سے خود کلام حیدری نے ادبی موضوعات پر لکھے جمع کیا ہے اور تاریخیں اس لئے دی ہیں کہ ہر تحریر کا عقبی بنظر بھی قارئین کے سامنے رہے۔

مزامیر پھلوں کا گلدستہ ہے جس میں مختلف نظریات و خیالات کے پھول سجا دیئے گئے ہیں۔ اور یہ اسلئے ممکن ہے کہ ایک مدیر نہ صرف مختلف فنکاروں کی تخلیقات کی اشاعت کو خاص سمجھتا ہے بلکہ کسی خاص پہلو میں ادب کے مختلف اصناف میں پیدا ہونے والے رجحانات اور فنی تجربے سے آگاہ ہو کر اپنا نظریہ پیش کرتا ہے علاوہ ازیں ادب اور زبان کی تنزلی و ترقی کے جو شعور مختلف سیاسی سطح پر ہوتے ہیں ان کے اثرات کس طرح قائم ہوتے ہیں اور مستقبل میں علم و ادب اور فن و زبان کو کتنا فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے، اس کا تجزیہ کرتا ہے۔ کلام حیدری کے ادارے کو اسی پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ کون سا سیاسی نقطہ۔ نظر جس پر اعتماد کیا جائے تمام نظروں میں ہوس کا دخل ہے۔ اور مصلحتوں کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ظالم ظالم نہیں کہا جاتا۔ غلط اب غلط نہیں رہا ہے۔

معیار نام کی چیز زندگی کے کس شعبے میں باقی ہے؟ سیاست اس سے عاری۔ اخلاق اس سے خالی۔ ادب اس سے باغی۔ سماجی اور ذہنی نقطہ نظر بھی یقینی نہیں رہا کیونکہ تیزی کے ساتھ نقطہ نظر ختم ہو رہے ہیں۔ ان کی جگہ ایک بے نام سا خلا ہے جو آدمی سے اس کا حوصلہ "زندگی چھین کر اس طرح بکھیر رہا ہے کہ وہ خود کو سمیٹنا بھول چکا ہے ....
شاعر کسی چیز کو خوب صورت شاعری بنائے جبکہ کسی چیز پر یقین نہیں ہے۔ شاعر اور فنکار کا المیہ کیا قصور رہے زندگی کی تیز رفتاری میں۔ راستے میں دونوں جانب تیزی سے دوڑتے ہوئے پیڑ پودے اور کھمبے کون دیکھ سکتا ہے کہ پہچان سکے .... رفتار کے ہاتھوں انسان کی جو بے بسی ہے اسکا اظہار شاعری میں بھی موجود ہے اور افسانوں میں بھی ہے۔ اس کے بکھرنے کی آواز اور بکھرنے کے بعد شکل کھو دینے کی کیفیت جدید شاعری میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس جون ۱۹۷۱ کے اداریہ سے لیا گیا ہے۔ میں نے مختصر طور پر انھی جملوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے جن میں مدیر کا نقطہ نظر سمٹ آیا ہے۔ یہاں ایک بھرپور مقالے کا اختصار یا تلخیص موجود ہے جو یہ واضح کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے کہ ہمارے عہد نے بڑی تیزی سے کروٹیں بدلی ہیں۔ قدریں ٹوٹتی بکھرتی رہی ہیں اور بھاگتے ہوئے تیز لمحوں کے ساتھ زندگی بھی رواں دواں ہے۔ نئے سمت جہت۔ نئی زندگی کا اظہار جدید افسانوں میں بھی ہے (اقتباس ۱۹۷۱)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہوں :۔

سچ کا کاروبار نہیں کیا جا سکتا ۔ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ۔ اسے کرنسی میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تخلیق طمانیت بخش سکتی ہے ۔ اس میں کھو کر اپنے آپ کو پایا جا سکتا ہے۔ اس میں ڈوب کر ماورائے دنیا ہوا جا سکتا ہے ۔ مگر اس کی تجارت نہیں کی جا سکتی ۔ فرمانروائے وقت کے انعامات بھی حاصل نہیں کئے جا سکتے ...... سچ تخلیق ماضی بھی ہے حال بھی ہے مستقبل بھی ...... سچ کے گرد کوئی حصار نہیں کھینچا جا سکتا ۔ نہ عصر کا، مکان کا عصری ادب سچا یا جھوٹا ۔ جھوٹ بنیادی طور پر ادب کوئی نہیں ہے ۔ جھوٹ سے ادب کا تعلق ؟ ہر چند بعض مرتبہ رفع خبث کے خیال سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ادب عصری ہوتے ہوئے ادب ہوتا ہے ...... مگر سچ ادب مفاہمت کا نام نہیں ہے لوازمات کا نام بھی نہیں ہے ۔ ان حصاروں میں اسے بند کرنے کی نہ کوششیں نئی اور نہ ان کوششوں کی ناکامی نئی ہے (نومبر ۱۹۸۲ء)

مدیر کی ذمہ داریاں گوناگوں ہوتی ہیں ۔ وہ بیک وقت ادب کی مختلف اصناف کے فن سے واقف ہونے کے علاوہ مختلف نظریات و تصورات سے واقف ہوتا ہے ۔ اس کی نظر زمانے میں دبے پاؤں آنے والی تہذیبی انقلاب پر بھی ہوتی ہے ۔ وہ کسی قوم کی برہانیوں کے منشور سے آسمانوں پر اس طرح ہوتے ہیں بڑی عمیق نظر سے نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اس کا منصفانہ تجزیہ کرتا ہے ۔ یہ عمل ایک ایسی کاوش ہے جو فال نیک ثابت اختیار کرتا ہے ۔ یہاں یہ بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ مدیر زمانہ کی سمت و رفتار اگر انسان سوز ہے تو اس کو روکنا اپنا فرض سمجھتا ہے علاوہ ازیں ادب میں نئے رجحانات و تحریکات کی صالح مثبت قدروں کو رواج دینے فرسودہ تخلیقات سے ادبی دنیا کو پاک رکھنے میں بڑی ہنرمندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیتا ہے ۔ الغرض وہ ایک معمار ہے جس میں فنی تعمیری تمام تر صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں ۔ اس کی نظر تمام تر تخلیقات کے ڈھکنے اور رفتار یکساں ہوتی ہے ۔ وہ اپنی نظر کا نقاد ہوتا ہے تنقیدی بصیرت سے معمور ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے خیالات خلاؤں میں پرواز کرنے والے نہیں ہوتے ہیں بلکہ اس کی تنقیدی بصیرت وہ ہاتھ ہوتے ہیں جو ستارہ گرنے کے مندر کی گھنٹیاں بجاتے ۔ رہتے ہیں ۔

غلام حیدری نے اردو ادب کے مختلف فنی و ذہنی تجربوں پر روشنی ڈالی مختلف رجحانات کا جائزہ لیا اور ادب کے بارے میں بھی واضح خیالات پیش کئے ۔ ہمارے نقاد کسی نہ کسی تحریک یا نظریہ سے وابستہ ہونے کی بنا پر نظریات سے مشکل خیالات پر حمد و ثنا پڑھتے اور دیگر تحریک و نظریات کی مخالفت کرنے کو دین و ایمان سمجھتے ہیں جو منطقی انداز و نتائج سب سے عاری ہے ۔ لیکن غلام حیدری کی تنقیدی نگارش کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو ملتا انداز ملے گا : رائیں بصیرت افروز نگاہ جو تخلیق کی زیر بہ لہروں اور اصل محرکات تک پہنچ جاتی ہے ۔

بقول غلام حیدری :۔ ANGRY YOUNG MAN زندگی کے ہر شعبہ کی طرح ادب میں بھی ہے مستقبل کا مالک بھی ہے اور یہی ماضی سے متنفر حال سے ناآسودہ اور مستقبل سے [illegible] بھی [illegible] ہے ۔ بڑا اا

جمالیاتی تسکین بخشتا ہے جمالیاتی تسکین کا یہ چشمہ کبھی خشک نہیں ہوتا، وقت گزر جاتا ہے لیکن اس چشمہ کا فیض جاری رہتا ہے۔ ایسے بے شمار موضوعات ہیں جن پر بے باکی کے ساتھ رائیں دی ہیں خواہ آپ کلام صاحب کی رائے سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ وہ اپنی آواز محض آپ کو خوش کرنے کی غرض سے پیش کرنا اپنے مزاج کے منافی سمجھتے ہیں۔

کلام حیدری کا تنقیدی موقف کھل کر "تفہیمات" میں سامنے آتا ہے "تفہیمات" آٹھ مختلف تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف ادبی موضوعات کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے یہ سارے مضامین ایک وقت میں نہیں لکھے گئے بلکہ مختلف سالوں کی پیداوار ہیں جن کے مطالعہ سے کلام حیدری کے خیالات کے طویل سفر کا اندازہ ہوتا ہے اور اس سفر کے درمیان ان کے نظریات میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا اندازہ ہوتا ہے۔ تنقیدی مضامین لکھنے والوں کی بھیڑ میں اپنے قدکی شناخت چھوڑ جانا بڑا دور رس اور دقت طلب فعل ہے۔ آج افسانہ اور شاعری کرنے والوں کی طرح تنقید کی طرف ہر کس و ناکس کا قدم لغزش کھا رہا ہے۔ یہ بوالہوسی ہے حسن پرستی نہیں اس لئے اعتبار شیوۂ اہل نظر ایک بڑا سوال ہو گیا ہے کسے اہم ناقد کہا جائے اور کسے [illegible] رد کیا جائے جس نے بوالہوسی کی اس نے ایسی زور آوری کی کہ زمانہ نے فوراً [illegible] ہیں جھٹکا دی [illegible] کا تنقیدی اگر تخلیقی فن ہے تو دل گدازتہ کی کیا فرمائیوں سے نکھر سکتا ہے اور اس کے حسن کا فروغ بصیرت کی [illegible]

جن فروغ شمع سخن دور ہے اسد ✩ پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

کلام حیدری صاحب ناقد ہونے کے دعویدار نہیں۔ یہ ان کی منکسر المزاجی کا ثبوت ہے لیکن [illegible] ان کے بلند موقف اور تنقیدی صلاحیت کے غماز ہیں۔ جن پر کسی بحث۔ [illegible]

[illegible]

اس سے بار [illegible]

سے نام سا نکلا ہے ہیں [illegible] حیات کے تمام [illegible] انتہائی کا سلسلہ [illegible]

شاعر کسی چیز کو [illegible] زندگی کی تلاش کی ہے اور تاثرات کی [illegible] تفہیمات کے [illegible]

کلام حیدری کے موقف سے آشنا ہونے کے لئے [illegible]

زندگی کی تیز رفتاری [illegible] استفادہ کیا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی [illegible]

کہ بیچارہ [illegible] نقد و تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

[illegible] اپنی الگ راہ بناتا ہے وہ چاہے پگڈنڈی ہی کیوں نہ ہو [illegible]

اور فیصلہ کرنا مستقبل کا اور دوسروں کا کام ہے، میں اپنے انداز نظر اور طریقۂ فکر کو حسین [illegible]

[illegible] مرعوب ہونے کو ہمیشہ کفر جانا۔ عالم کا احترام کرنا، علم کی قدر کرنا اور صاحب نظر سے متاثر ہونا [illegible]

تفہیمات کا پہلا مضمون "جوش کی انقلابی شاعری" کے عنوان سے لکھا گیا ہے جس میں [illegible] شاعری کے ارتقا کی سفر کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حالی کے [illegible] حقائق کی ترجمانی میں معاون ثابت ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد شاعری [illegible]

تصوف، مساوات اور محبت کا درس دیا اور اردو شاعری میں گہری فلسفیانہ باتیں پیش کیں ہندوستان کی بساطِ سلطنت پر انگریزی حکام نے اپنے صرف جن دیے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہندوستان ظلم و استبداد سے گھبرا گیا۔ احتیاطِ سلطنت کے الٹنے دکا تو اردو شعرا نے بھی اپنے قلم کو سنبھالا اور بیدارانیت سے معمور خیالات پیش کرنے لگے۔ اقبال اور جوش کے یہاں سیاسی رجحانات غالب ہیں۔ لیکن ان دونوں شعرا کے ہاں بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال کے یہاں گہری مفکرانہ سنجیدگی ملتی ہے اور حیات و کائنات کے بارے تصورات نظر آتے ہیں جبکہ جوش کے ہاں انقلاب کا تصور

کلام حیدری صاحب کے جوش ملیح آبادی کی انقلابی شاعری کو بلند و قبیح اور گہری سنجیدگی سے تعبیر نہیں کیا ہے۔ جوش حالات اور نتائج پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے۔ ان کے یہاں ایک نوع کا جذباتی ابال ہے جو لفظوں کی گھن گرج کے ساتھ چڑھتا اترتا ہے۔ جوش کے یہاں شاعرانہ فن ان کی سطحی جذباتیت میں مجروح ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ گہری سنجیدگی اور بلند تصور پیش کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ موصوف جوش کی انقلابی اور رومانی شاعری کے ضمن میں فرماتے ہیں

فنکار اپنے فن سے اس وقت تک عوام کو متاثر نہیں کر سکتا جب تک اپنے تصورات کو موزوں جامہ نہ عطا کرے شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ یقیناً بہت اہم ہے مگر یہ کم اہم نہیں ہے کہ وہ اپنی بات کس طرح کہتا ہے جذباتیت اور غصہ نے تو شاعر جوش کی شاعری کو خطیبانہ رنگ میں اس حد تک غرق کر دیا ہے کہ شعریت مردہ ہو گئی ہے وہ بیان اور انداز بیان انقلاب و شعر میں خوشگوار توازن قائم نہ کر سکے۔ وہ واعظ ہیں باغی ہیں مگر شاعر نہیں۔

کلام حیدری نے جوش کی انقلابی شاعری پر توجہ صرف کی ہے اور اس نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے کہ جوش کے انقلابی تصورات میں صرف جوش ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جوش کی شاعری میں جھنجھلاہٹ اور غصہ کی شدت ہے جو خطیبانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے مگر میں اس بات سے متفق نہیں کہ جوش شاعر نہیں ہیں۔ موصوف نے جوش کی شاعری کے ایک گوشے کی طرف توجہ صرف کی ہے۔ جوش کی کل متاعِ ذکر و سخن میں ایسی نظمیں اور غزلیں بھی ہیں جو شاعری کے اعلیٰ نمونوں میں شمار کی جا سکیں گی۔ بہرکیف کلام حیدری صاحب نے جوش کے اس گوشے پر خامہ فرسائی کی ہے جس پر جوش کی شاعری کے معتد بہ حصہ کی اساس قائم ہے اور کئی اہم نکتوں پر نقد مرکوز کی ہے

ولی کی غزلوں کی ایک خصوصیت " میں موصوف نے ولی کی شاعری کی جس ایک خصوصیت پر زور دیا۔ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں ولی کی شاعرانہ خصوصیات کا عطر سمٹ آیا ہے۔ وہ ولی کی شاعری پر ہندوستانیت پر زور دیتے ہیں

کرشن چندر، منٹو، پریم چند جیسے مشہور و معتبر افسانہ نگاروں کے فکری و فنی گوشوں پر بھی نگاہ ڈالی ہے اور بعض ایسی باتیں بھی کہی گئی ہیں جو مذکورہ فنکاروں کی تخلیقات کے مطالعہ کے لئے اب

تا کرتے ہیں

تفہیمات " کے تمام مقالات کا تجزیہ کرنے کے بعد۔ اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کہ ناقد کا اصل
ان کیا ہے اور ان کے تنقیدی نظریات کیا ہیں۔ کلام حیدری صاحب نے اپنے نظریات میں موقع بموقع
بدیلیاں پیدا کی ہیں۔ یہ تبدیلیاں OPPORTUNISM کے قطعی مترادف نہیں بلکہ خارجی حالات
تغیرات کے نتیجے میں اردو ادب کی دنیا میں جس قدر تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور فکری و فنی سطح
جتنی کروٹیں بدلی ہیں ان کا عکس روپ ہیں کلام حیدری کسی ایک مقام پر رکنا نہیں چاہتے۔ وہ
ت کے ساتھ ساتھ شعر اور ادب میں تبدیلی کے بھی قائل ہیں لہذا تنقید کے اصول میں تبدیلی
کے بھی قائل نظر آتے ہیں۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حالی کے بعد اردو تنقید نگاری میں واقعی اضافہ ہوا ہے اور مختلف
نات و تنقیدی اصول وضوابط کے اثرات قائم ہوتے ہیں۔ مغربی افکار کا سیل رواں جب دنیائے
ن کو سیراب کرنے لگا اور تنقیدوں کے نئے ابواب روشن ہوئے تو اردو تنقید بھی متاثر ہوئے بغیر
سکی۔ نتیجے کے طور پر کئی اہم ناقدوں کے خیالات نے ادب کی نئی سمت و جہت کا تعین کیا۔ کلام حیدری
ب کو ان میں یقیناً شمار کیا جا سکتا ہے ان کے یہاں جھنجھلاہٹ اور اضطراب نہیں ہے لفظوں کی آرائش
ت کو تبیع بنا دیتی ہے اور ان کی تنقید میں ساتیکھاپن اور ایسی بے باکی ہے جو پڑھنے والے کو اپنی طرف
لیتی ہے۔ وہ موضوع کی روح میں اترنے کی کوشش کرتے ہیں اور فن کی زیریں لہروں پر نظر رکھتے ہیں
حیثیت ایسے تماشائی کی نہیں جو سمندر کی لہروں کا معائنہ کرتا ہے اور حظ اٹھاتا ہے بلکہ ایک ایسے
ک کی ہے جو غوطے لگاتا ہے اور کسی اہم موتی کو نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگر ان کا انداز فکر اسی
ر چلتا رہا اور افسانے کے ساتھ ساتھ تنقید پر توجہ دی تو اردو ادب مستفیض ہوتا رہے گا اور ہم ان
ندو فیع و سنجیدہ اور فکر آموز خیالات سے روشن ہوتے رہیں گے ۔

بقیہ موت کے بارے میں

نے بیٹے کے حوالے کرنا۔ یہ اپنی زندگی
پنی ملکیت ہے!
سید رازے کو یہ پٹھانی رویہ پسند
ب میں بھی موت کے بالمقابل، خاں
کھڑا ہوں،

ڈاکٹر مجیب ایمان

✤ انشائیہ اور انشاء پرداز ✤ پروفیسر نارنگ کی نیرنگیاں ✤

✤ شاعری اور اس کے شیدائی ✤ فیض صاحب کی شاعری ✤

انسانی زندگی ایک آئینہ ہے۔ جس میں تخلیقی تبسم کے کئی جلوے ہیں، ان میں ایک انشائیہ ہے۔ انشائیہ کے بھی مختلف موضوعات ہیں، جن میں طنز و مزاح زیادہ مقبول ہے، مصنف کی شخصیت تخیل کی تمازت اور شوخی کی شدت سے نمایاں ہوتی ہے۔

علمی عروس کی مانند "شو فٹ" کے انشائیے سجیلے ہیں، ہر چند کہ چارلس لیمب کا انشائیہ غم کا المیہ ہے لیکن مزاح کی مشعلیں اپنی جگہ اجاگر ہیں، "گارڈنر" کے انشائیے فطرت کے تجزیے ہیں جنکی نگار میں دانشوری شامل ہے۔ ان کے علاوہ "ایڈیسن، ڈرائڈن، جانسن، کارلائل، رسکن" اور "اسٹیل" کے انشائیوں میں ان کی تخلیقی شخصیت کا بھرپور رنگ غالب ہے۔ خصوصاً ایڈیسن اور اسٹیل نے رسالہ "اسپکٹیٹر" کے ذریعہ اخلاقی قدریں ملبار کی ہیں جنہیں ان کا کردار نمایاں ہے۔

اسی طرح اردو ادب میں سرسید احمد خان، مولانا حالی، مولانا آزاد، مولانا عبدالحلیم شرر، مہدی افادی، سجاد انصاری اور علامہ حسن نظامی کے انشائیوں میں انکی شخصیتیں اجاگر ہیں،

انگریزی ادب میں جس طرح خالص انشائیے کم ملتے ہیں اسی طرح اردو ادب میں اصلی انشائیوں کی مثالیں نظر سے کم گذری ہیں۔ البتہ ملا وجہی کے "سب رس" میں انشائیہ کے کچھ نمونے ملتے ہیں لیکن یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ انشائیہ کی بنیاد سرسید احمد خان نے ڈالی۔ یوں تو انشائیہ کا اسلوب کسی حد تک غالب کے خطوط میں بھی ملتا ہے مرزا فرحت اللہ بیگ کے انشائیے، نذیر احمد کی کہانی اور وصیت کی نقیل ادب کے بہترین نمونے ہیں، علامہ حسن نظامی کے مضامین "دیا سلائی"، "آ-ان کی آواز"، "گلاب تمہارا

اور "کیکڑا ہمارا" بہت خوب ہیں۔ مولانا حالی کے بعض مضامین انشائیہ کے بہت قریب ہیں خصوصاً "وہ" میں موصوف نے اپنے ذاتی تجربات کا ہلکے پھلکے انداز میں ذکر کیا ہے۔ ان مضامین میں سے کرشمہ قدرت اور فطرت کی بزم انشا کو انشائیہ میں شامل کر سکتے ہیں۔

میرے محترم استاد، رشید احمد صدیقی علیگ کا مضمون "امتحانات" انشائیہ کا اعلیٰ نمونہ ہے جس میں رنگ ظریفانہ ہے اور یہی رنگ انہیں انشائیہ نگاروں کے زمرے میں شامل کرتا ہے۔ پطرس بخاری کو بھی انشائیہ نگاروں میں جگہ دی جا سکتی ہے، ان کے مضامین میں طنز و مزاح کی چاشنی ہے، "لاہور کا جغرافیہ" بہت خوب ہے اسی طرح مولانا چراغ حسن حسرت بھی ہیں جنکا انشائیہ "پنجاب کا جغرافیہ" خاص طور سے اس ذیل میں ہے۔ انکے علاوہ، شوکت تھانوی، شفیق الرحمن، سید ضمیر جعفری اور ابراہیم جلیس کے انشائیے اردو ادب کے بہترین نمونے ہیں۔ لندن کے مقامی ادیبوں میں سید عاشور کاظمی، معین الدین شاہ، مشتاق احمد یوسفی اور اطہر راز کی نگارشات بھی انشائیوں کی مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان مثالوں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی ایک موضوع انشائیہ کیلئے مخصوص نہیں اس میں فلسفہ بھی آ سکتا ہے اور اخلاق بھی قہقہے بھی شامل ہو سکتے ہیں، آنسو بھی، حیات کا تجزیہ بھی کیا جا سکتا ہے اور کائنات کی تفتیش بھی، ماضی کی سیر بھی ہو سکتی ہے اور حال کی پرسان حال بھی۔ اس کے باوجود ستائش یا ہجو کی کوئی گنجائش نہیں مگر......

* پروفیسر گوپی چند نارنگ کی "نیرنگیاں" ان ادیبوں سے الگ ہیں، اردو ادب کے استاد "جامعہ ملیہ" کی جان، مستند مصنف، اور نامور نقاد ہونے کا شرف حاصل ہے، ان اوصاف کے باوجود "ہم دو نیم" کے مصنف افتخار عارف کے استادوں میں ایک استاد، ساقی، "نو مسلم فاروقی" کے سمن راز کی سیر، شاعری کے شگوفے، سفر آشنا کے تذکرے، "ہم دو نیم" پر تبصرے توجہ طلب ہوگا، اسلئے کہ خیال کی خوشبو الفاظ کا انتخاب، جذبات کی جادو گری، اور افکار کی آرائش، اشعار کی اہمیت کا پتہ نہیں دیتے!

"دو نیم"، "شہر مثال" کی ترکیب قاعدے کیمطابق غلط ہے، "شہر" فارسی زبان کا لفظ ہے، اور "مثال" عربی کا، اسلئے غیر زبان کے لفظ کے ساتھ "اضافت" کا استعمال جائز نہیں" اگر شہر کے لفظ کو عربی زبان کے معنوں میں لیا جائے تو بھی "شہر مثال" کی ترکیب معنوی لحاظ سے مہمل ہو جائے گی البتہ "شہر خوباں" "شہر آب" یا "شہر خموشاں" لکھا جاتا تو اضافت کی ترکیب درست ہوتی!

اسی طرح "آن تہہ" کی اردو اصطلاح بھی عجیب ہے، محاورہ "آن کی آن" میں بامعنی اور مہمل ہوتا، "لا مانوس تخلیق" کی جگہ "غیر مانوس" مناسب ہوتی اور "مثالیت" بھی کوئی لفظ نہیں، مثال کی اسم فاعل ترکیبی، علامہ ماجد دریا آبادی کے نزدیک "تلک"، "تقریباً" اور "آفرش" کی مانند متروک ہے، "معنیاتی" کی بجائے معنوی فضا لکھنا زیادہ صحیح ہوتا ان کے علاوہ افتخار عارف کے مرکبات،

معرکہ ہو" غذاب گوذ "یشاق شبرگی" کی تعریف بھی دانشوری کی دلیل نہیں، اس قسم کی غلط ترکیبیں اردو اور فارسی سے نابلد احباب کو متاثر کر سکتی ہیں لیکن ادب کا داعی تجاہل عارفانہ تصور کرنے پر مجبور ہوگا۔ حیرت ہے! ڈاکٹر گوپی چند نارنگ" شعر مثال کا درد مند شاعر" کے عنوان سے اردو انشائیل لٹاڈا" میں کس طرح رطب اللسان ہیں!! مانا کہ دوستی فطری جذبہ ہے، جس میں رنگ، نسل، اور مذہب کو دخل نہیں، تعلقات کی بنیاد تحسین سے مستحکم ہوتی ہے، مگر ادب کے دائرے میں خوبیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ خرابیوں کی نشاندہی بھی لازمی ہے ورنہ خدانخواستہ ہوگا اور دوست نوازی کہلائے گی، مبصر کی اکروی پر حرف آئے گا اور ادبی بے ایمانی پر قارئین چاہئے گرفت کریں یا نہ کریں زیر لب ضرور مسکرائیں گے۔ مشکل الفاظ کا استعمال برمحل اور با معنی ہو تو نثر یا نظم میں چار چاند لگ جاتے ہیں، لیکن شعور کا فقدان اور شعری شناخت کی صلاحیت اگر بہرے سے غائب ہو تو مشکل الفاظ کے آئینے میں خامیوں کی پردہ پوشی "مذاق کے مترادف ہوگی، اسلئے ایمان کے آئینے میں پروفیسر نارنگ کی نیرنگیاں جلوہ گر ہیں، جو ادب کیساتھ فکر کی دعوت دیتی ہیں

✤ شاعری اور اسکے شیدائی

مغربی مفکر ڈاکٹر جانسن شاعری کو "ماورائے ادب" لکھتے ہیں جو اور افکار کی مدد سے مسرت کی کیفیت پیدا کرتا ہے مگر میرے تجربہ میں شاعری جذبات، خیالات اور افکار کی خداداد عطیہ ہے جس میں احساس، فکر اور فن کا امتزاج ہم ہے خیال کی ندرت اس دور میں خال خال نظر آتی ہے اسلئے کہ عشق اور عاشقی کے تمام تر خیالات لکھتے ہیں، قدیم استاد نے شاعری میں کوئی گنجائش باقی رکھی ہو اس واسطے اس دور کی شاعری عام طور پر الفاظ کی جامہ زیبی ہے جس طرح نئے نئے فیشن کے جامے تراشے جاتے ہیں، اسی طرح جدید شعراء الفاظ کی بندش و نئی تراکیب کا تانا بانا بنتے ہیں جو معنی کے دائرے میں ہوں تو نئی دنیا دکھاتی ہیں۔

کارلائل کی نظر میں خیال اور مترنم الفاظ کا دوسرا نام شاعری ہے، جیسے "شیلی" اظہار جذبہ کہتے ہیں، لیکن "ہزلٹ" شاعری کو جذبات کی زبان مانتے ہیں اور "لی ہنٹ" کے نزدیک شاعری اس شعور کا اظہار ہے جو صداقت اور حسن آفرینی پر مبنی ہو، مگر "کالرج" شاعری کو سائنس کی متضاد گردانتے ہیں، میرے خیال میں یہ متنازعہ قول ہے، شاعری میں سائنسی ارتقاء کا اظہار سچائی کیساتھ ندرت بیان اور تخلیقی مسرت کا باعث بن سکتا ہے، جیساکہ "ورڈزورتھ" شاعری کو تمام علوم کی روح کہتے ہیں اور میتھیو ارنلڈ" بھی، شاعری کو جذبات اور خیالات کے اظہار کا بہترین آلہ مانتے ہیں۔ مگر "رسکن" پاکیزہ جذبات کے بیان کو شاعری نام دیتے ہیں، جیسے پروفیسر "کارتھوپ" مسرت کی کرن کہتے ہیں، تاہم میں یہ کہوں گا کہ تخئیل تفکر، فن اور عمدہ الفاظ کے آہنگ سے شاعری معرض وجود میں آتی ہے جس کے لئے خون جگر جلانا اولین شرط ہے۔

مختلف مفکرین کے اقوال کی تدریس مشترک ہیں جنہیں شاعری کی خصوصیات تو کہی جا سکتی ہیں لیکن جامع تعریف نہیں، اسلئے کہ شاعری دو اہم عناصر کا مجموعہ منت ہے، ایک جذباتی اور دوسری

تخیئلی جذبے کے امتزاج سے شاعری وجود میں آتی ہے، تاہم ایسے عناصر نثر میں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً قدیم زمانے کی مقفیٰ نثر اور جدید دور کی نثری نظم، اب یہاں پہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسی شئے ہے جس کے ذریعہ نظم اور نثر میں امتیاز پیدا کیا جا سکے؟ میری دانست میں صرف "اوزان" کا فن ہے جسکے بغیر شاعری کو پرکھا نہیں جا سکتا، جیسا کہ "لی ہنٹ" کے نزدیک شاعری کی روح "وزن کی پابندی ہے"، کیونکہ حسن اور حرارت کا احساس اسکے بغیر مترنم ہو ہی نہیں سکتا اگر الفاظ کو کھینچ تان کر راگ راگنی کا مقصد پورا بھی کر لیا جائے پھر بھی ادھورا ہی رہے گا جسکی تکمیل کیلئے "وزن اور بحر کی پابندی ایک اچھے شاعر کی شاعری کے واسطے لازمی ہے۔

معقفیٰ نثر اور نثری نظم کی سرحدیں ملتی ہیں، تاہم یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شعر کی شیرینی "وزن کی بدولت" نثر اور نظم کے مابین باقی رہتی ہے، جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شاعرانہ خیالات اور متوازن زبان میں چولی دامن کا ساتھ ہے، "جیمز منٹگمری" نے کیا خوب کہا ہے کہ "ملٹن اور شکسپیر" کے منظوم خیالات اگر نثر میں منتقل کر دیے جائیں تو کم سے کم الفاظ کی ترتیب اور شاعری کا سارا سحر کافور ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر شبنم کے قطرے اگر ہتھیلی پر رکھے جائیں تو خون کی حرارت سے ذرا سی دیر میں ہوا ہو جائیں گے مگر وہی قطرے غنچہ و گل کی زینت ہوں تو موتی کی مانند دمکتے رہیں گے، لہٰذا کسی شعر کے موزوں الفاظ کو اگر آگے پیچھے کر دیا جائے تو شعر کا مفہوم ہی خبط ہو گا بلکہ وزن، حسن، حرارت اور جذبات کی جادو بیانی میں بھی فرق آ جائے گا۔

فیض کی شاعری

کا تجزیہ اگر ان اقوال اور اصول کے آئینے میں کیا جائے تو گستاخی معاف فیض صاحب "فلمی" شاعر ہیں، ان کی بزرگی اور سنجیدگی کا اعتراف اپنی جگہ زیک ادبی اور قومی لحاظ سے ڈاکٹر اقبال کی مانند فیض صاحب کے کلام میں "پیغام" نہیں!!

طبوبے لطافت اور سرخ سویرے کی حمایت قومی اور اعلیٰ شاعری کے معیار پر پورا نہیں اترتی ... علاوہ فیض صاحب کے کلام میں خیال کی تشبیہ اور مصرعوں کی مربوطی بھی بکھری ہوتی ہے۔ مثلاً ...

غزل کا مطلع۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے ‏ ‏ ‏ وہ جا رہا ہے کوئی شب ...

توجہ طلب ہے، دراصل مصرعہ اولیٰ صداقت سے ہمکنار نہیں، دنیا اور آخرت کے سوا ...

جہاں کونسا ہے جہاں عاشق زار ‏ ‏ ‏ شب غم گذار کر جا ر...

ذرا سی توجہ کیساتھ پہلا مصرعہ یوں بھی کہا جا سکتا تھا ؎

وقت سحر بجھا کے دیے انتظار کے ـــ ! ‏ ‏ ‏ اب ذرا مکمل مطلع کا ...

فرمائیے ! ؎

وقت سحر بجھا کے دیے انتظار کے ‏ ‏ ‏ وہ جا رہا ہے کوئی شب ...

پھر بات بنتی اور دونوں مصرعے مربوط اور جاندار ہوتے، اس قسم کی کئی ...

ناصر بغدادی

کیڑا گندی نالی کا

اور پھر شادی کے دوسرے ہی دن اس کو پتہ چل گیا کہ شادی کر کے اس نے دنیا کے سب سے بڑے احمقانہ فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ بلکہ بھاڑ جھونکا۔ جھک مارا۔ اور اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ شاید ان کاموں کے کرنے میں بھی اسے اتنی ذہنی کوفت اور خجالت کا احساس نہ ہوتا جتنا شادی کے بعد ہوا۔ اس نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا۔ کیسے کیسے رنگیں ارمانوں کو اپنے دل کے گوشوں میں جگہ دی تھی۔ کتنے بہار آفریں خوابوں کے طرب انگیز تار و پود کو ذہن میں بُنا کیا تھا۔ مگر اس کو کیا پتہ تھا کہ اس کے خوابوں کا شیش محل اس طرح چکنا چور ہو جائے گا

وہ اپنے دل میں غمناک احساس کا زخم لیے غور و تعمق میں ڈوبا تھا کہ بوا آن ٹپکیں ہونٹوں پر پان کے لاکھے جمائے، بڑے بڑے دیدوں کو گھماتے ہوئے وہ اس کے سامنے کھڑی رہی چپ چاپ "گم سم"... جیسے کسی لاش کے سرہانے کھڑی ہو!

کیا بات ہے؟ اس نے ایک نظر بوا کو دیکھا اور پھر جلدی سے سر جھکا لیا

وہی پرانی خبر ہے گلن میاں!.. ایک انگلی ناک پر رکھ کر اس انداز سے بولی جیسے خبر بڑی خطرناک اور ماہیانہ ہو۔ گلن خوب جانتا تھا کہ خبر کیا ہو گی۔ مگر اس کے باوجود اس نے استفسارانہ نظروں سے بوا کو دیکھا۔

دلہن نے پھر کھانا کھانے سے انکار کر دیا ہے!

ہوں!! اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔ اس نے سوچا "تو بھوک ہڑتال جاری ہے"

اور پھر اس کا چہرہ غصہ سے گلابی ہوگیا۔ عجیب لڑکی ہے ا اچھوت و قوت ! تمہارا دور سے بھوک پیاسی
کیونکہ ہڑتال کرنے والوں کے پاس معقول جواز ہوتا ہے۔ تارا سنگھ نے سکھوں کے مطالبات منوانے کے
لئے ہی تو اب تک بھوک ہڑتال رکھ کر ساری ڈیپلومیسی میں ڈال دیا تھا۔ اور مسٹر بھوک ہڑتال
کر کے شمالی آئرلینڈ کی انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانا چاہتے تھے اور گاندھی جی کے بھوک ہڑتال
کی وجہ ساری دنیا کو معلوم ہے !! مگر اس کمبخت کو اس وقت گاندھی جی کی تقلید کی کیا ضرورت آن پڑی
تھی ؟ ......

"کہا" ... وہ خیال انداز میں سر جھٹکا دے کر بولا "کیا اس نے کچھ کہا ؟ ..

یہ بھی تم نے خوب کہی میاں" بوا نے اپنی کمر پہ ہاتھ رکھ لیا "وہ اور بات ... کو
لوگ اندر ... کرنا خود پر روا کر لیا ہے"

کس مصیبت میں جان پھنس گئی" ... وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

محبت کی شادی کا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے" اتنا کہہ کر بوا نے اپنی پشت ... کی
طرف بڑھ گئی۔ وہ جھنجھلا کر رہ گیا۔

یہ دلہن دنیا کا آٹھواں عجوبہ تھی۔ انسان کا ذہن تو خیر بہت دور کی بات ہے ... اس
سمجھنے سے قاصر تھا۔ نہ معلوم کس مٹی سے بنائی گئی تھی۔ اک ... تھی۔ سمجھنے کا ...

شادی کی دوسری صبح جب اس نے بغیر کچھ بولے دودھ اور جلیبی لینے ...
انکار کیا تو گھر کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی اس نے سوچا تھی نئی دلہن ہے ...
سامنے موجود ہے اس لئے کیا مانع ہوگئی۔ اور جب دولہا کو اسے بتایا گیا کہ دلہن نے ...
بھی اس کے سکون کی دیوار میں شگاف نہیں پڑا۔ بلکہ وہ بوا کو ڈانٹنے لگا۔

خواہ مخواہ اس کو کیوں تنگ کر رہی ہو۔ اس کے معاملے میں کچھ ...
کسی بات کا جواب بھی نہیں دیتی۔ بوا نے سرگوشی کی۔ "تمہاری بیوی ...
پاس زبان نہیں"

کیا میں نے کبھی بیہودہ باتیں کہیں ؟

نہیں۔ تمہاری باتوں میں فلسفیانہ رنگ ہوتا ہے" اس نے بیزاری ...
نہ جانے ... وہ رہا ... دروازہ ...

لیکن جب شام ... معلوم ہوا کہ دلہن کا روزہ ہنوز نہیں ٹوٹا ... تو
بھی کیا سمجھا کہ فاقے کا سلسلہ ٹوٹنے ہی نہ پائے گا یہی رہا تھا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی ...
حساس کو ہم رکاب ... کرے ... میں داخل ہوا۔ دریچے کے قریب ... کچھ لوگ ...

بن بیٹھی تھی۔ شب زفاف گزرنے کے با وجود اس کے معصوم چہرے پر [illegible] کا سا نکھار اور خوبصورت رہباؤں کا سا تقدس تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ آہستہ سے اس کا [illegible] ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور وفور جذبات سے مغلوب ہو کر بولا

حمیدہ! تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ؟

جواب میں وہی خاموشی ... [illegible] ... کوئی بات سن کر بھی اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر پیدا نہیں ہوا۔

بولو نا حمیدہ — کیا تمہارا پیار ہی پیٹ بھرنے کو کافی ہے [illegible] وہ خاموش رہی۔ صرف ایک نظر اس کو دیکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔

اگر تمہارے پسند کی کوئی چیز ہو تو کہو۔ تمہاری فرمائش ابھی پوری ہو جائے گی... گل اس نے بڑی مشکل سے اپنے تحمل کو برقرار رکھا۔ [illegible] اب بھی جواب سے محروم ہوا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے عصبی نظام پر منفی اثرات مرتب ہونے لگے تھے۔ دل میں پیچ و تاب کھانے کے باوجود اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ یہ بڑے عجیب [illegible] کی باتوں کو درخور توجہ ہی نہیں سمجھ رہی ہے وہ مجذوب کیا بڑ بڑاتیں — وہ جھلا کر [illegible] سے چلا آیا۔ اس نے سوچا تھوڑی دیر بعد جب انتڑیاں قل ھو اللہ پڑھنی شروع کریں گی تو وہ دسترخوان کی طرف بھاگ پڑے گی...

لیکن [illegible] تین دن گزر گئے اور اس نے کچھ نہیں کھایا تو گل کی جھنجھلاہٹ پریشانی میں تبدیل ہو گئی معاملہ سنگین ہو گیا تھا اس نے سوچا اگر اسکی بھوک ہڑتال مزید جاری رہی تو اس کی زندگی بچانے کے لئے اسے بھٹکائی روح کی آواز دینی ہوگی مگر اس پریشانی کے عالم میں بھی گل حیرت زدہ تھا — تین دن بھوکا رہنا کھیل نہیں۔ بڑے بڑے رستموں کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ نبض ڈوبنے لگتی ہیں۔ آنکھیں کھولے نہیں کھلتیں — مگر اسکی تو ایسی حالت نہ تھی۔ اسکے چہرے پر اب بھی بہار کے سارے رنگ نمایاں تھے۔ وہ اب بھی گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھی۔ آنکھوں میں وہی مستی... چہرے پر وہی بشاشت — کیا بھوک اس کے حسن کی ٹانک بن رہی تھی ؟

یہ شادی اسکو بہت مہنگی پڑی تھی.. مانگا کچھ تھا اور ملا کچھ! اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ شادی خانہ بربادی ثابت ہوگی ورنہ وہ چند لمحوں کی خوشیوں کے عوض آ جان کا روگ نہ مول لیتا۔ اس نے سوچا ممکن ہے یہ بزرگوں کی بات نہ ماننے کا نتیجہ ہے۔ ضرور یہی بات ہے۔ ساری دنیا اس شادی کے خلاف تھی۔ سب کا کہنا تھا کہ اس شادی سے خاندان کی عزت داغدار ہو جائے گی........ بزرگوں کی ناک کٹ جائے گی — گل ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ تھا اس کے والد مولانا انتظام الحق شہر کی سب سے بڑی مسجد کے پیش امام تھے۔ [illegible]

پہ ان کا ہفتہ وار پروگرام .... تفسیر القرآن .... نہ صرف مذہبی اور علمی حلقوں میں مقبول تھا بلکہ تقریباً ہر گھر میں سنا اور دیکھا ضرور جاتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ عائلی قوانین کے خلاف جب ملک کے عالمینِ دین نے احتجاجی نعرے بلند کئے تھے تو انھوں نے خاموشی اختیار کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی خدا کے ساتھ ساتھ وہ حکومت سے بھی ڈرتے تھے ـــــ انھیں کی عظیم شخصیت کا واسطہ دے کر ہمدردوں نے گلن کو اس شادی سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اور پھر بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی تھی۔ ایک لڑکی جس کے باپ دادا کا کوئی دور پتہ نہ تھا، اگر اچانک ہی انتظام الحق جیسے جید عالم کی بہو کہلانے لگتی تو ان کے تو زندگی بھر کے سارے مذہبی کارنامے خاک میں مل کر رہ جاتے !! ـ در اصل لڑکی کا کوئی خاندان ہی نہ تھا۔ وہ ایک بھیک دربھکارن تھی۔ اپنی برداری کے ہر فرد کی طرح وہ بھی گلی گلی کوچہ کوچہ بھیک مانگتی تھی۔ اپنے حسن کو چیتھڑوں میں چھپائے خود کو بے بسی اور مجبوری کا عبرتناک مرقع بنا کر دنیا والوں سے بھیک حاصل کرنا ہی اس کی ساری زندگی تھا۔ مگر اب اس کو کیا کیا جاتا کہ گلن ؟ سکے بے مثال اور تابناک حسن پرسو جانوں سے فریفتہ و شیفتہ ہو چکا تھا؛ حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ہزاروں کیا لاکھوں میں ایک تھی، دھول میں پھول اور گدڑی میں لعل جیسے مقولے شاید کہنے والوں نے اس جیسی لڑکی کو دیکھ کر ہی گھڑے تھے۔ اس کا حسن ایک ایسا چمکدار ہیرا تھا کہ نگاہ ٹھہر ہی نہیں سکتی تھی۔ دنیا کا شاید کوئی شاعر اشعار میں اس کے حسن کی مکمل تعریف نہیں کر سکتا تھا!!

گلن نے اس کو دیکھا اور اپنا دل تھام کر رہ گیا۔ اسوقت اسکی ماں بھی اسکے ساتھ تھی۔ گلن نے ان کو اتنی بھیک دی کہ شاید زندگی میں پہلے انہیں اتنی بھیک یکمشت نہیں ملی تھی پھر وہ اسکی ماں سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ مقصد صرف اس دلربا حسینہ کو روکنا تھا۔ اس دن اس کو ان دونوں کے متعلق بہت ساری باتیں معلوم ہو گئیں۔ جانے سے قبل اس نے اس انداز سے انھیں دوبارہ آنے کے لئے کہا جیسے بھیک کی لا متناہی اقساط ان کی منتظر ہوں۔ بھکاری تو فطرتاً لالچی ہوتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا ہر روز اس کے گھر کے پھیرے ہونے لگے۔ اور گلن کی بیتیں ان سے مختلف ہو گئیں ــــــــــــــــ کچھ دنوں بعد اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اس کیچڑ کے کنول کو اپنے گھر کی زینت بنائے گا۔ یہ فیصلہ کرتے وقت اس کو بخوبی علم تھا کہ ایک طوفانی ہنگامہ بیدار ہو جائے گا۔ لوگ دنیا ہی میں قیامت کا منظر دیکھ لیں گے۔ مگر وہ بھی ؤھن کا ... تھا!!

اور پھر اس نے ایک دن بڑی عمدہ پلاننگ کے ساتھ اپنی اماں کو دونوں سے ملوا دیا، جب وہ بھیک لیکر جا چکے تو وہ لڑکی کے حسن کی تعریف میں قصیدے پڑھنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ بڑے دلگداز پیرائے میں اسکی بیچارگی اور محرومی کی داستان بھی بیان کرنے لگا۔

زمانہ بہت خراب ہے ماں! دنیا بڑی بے رحم ہے! ماں بھی اس کے لہجے سے کچھ متاثر نظر آنے

لگی۔ کلن سمجھ گیا کہ آہستہ آہستہ کام بن رہا ہے۔ بڑی بی تھک چکی ہیں۔ اب زیادہ وقت گنوانا عبث تھا۔ موقعہ غنیمت تھا۔ وہ فوراً مطلب پر آ گیا۔

"ماں! میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں!"

اور پھر بم پھٹ گیا۔ زلزلہ آ گیا۔ طوفان آ گیا۔ ایک لمحہ تک بڑی بی نے اسے حیران نگاہوں سے دیکھا اور پھر اچھل پڑیں۔ اچھلنا تو شاید انہیں پہلے چاہئے تھا مگر کہنہ دماغ تھا۔ یادداشت کمزور تھی اس لئے شاید بھول گئیں۔

"موئے کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" بڑی بی نے جھٹکے دار لہجے میں کہا۔ آواز تیز کرنے کی کوشش کی گئی مگر ضعف نے اس کی اجازت نہ دی۔

بھاڑ میں گئی وہ چھنال۔ جہاں سے آئی ہے وہیں دفن کر دوں گی۔ بدمعاش...... اوباش —— شریفوں کے لڑکوں کو برباد کرنے آئی ہے —— اور تو کان کھول کر سن لے۔ اب اگر تو نے اس سے شادی کا نام لیا

تو پھر...... پھر...... پھر ——؟

پھر وہ کیا کریں گی وہ یہ نہ کہہ سکیں۔ ان کی سانس پھولنے لگی۔ جسم لرزنے لگا۔ دیدے گھومنے لگے۔ کلن نے خالی خالی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ماں کی باتوں کا کچھ ردعمل ہوا ہے پھر اس نے گردن جھٹکی جیسے کہہ رہا ہے "اونہہ —— دیکھوں گا کیسے روکو گی!"

اس رات کو والد بزرگوار مولانا صاحب نے اسے یاد کیا۔ وہ طمطراق سے ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا سکون برقرار تھا۔ کوئی ڈر نہیں۔ کوئی جھجھک نہیں۔ جیسے اپنے لنگوٹیے یار سے ملنے جا رہا تھا —— مولانا نے اس کے سراپا پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ اس کے جسم، اس کے ذہن اور اس کی روح تک کا جیسے آنکھوں نے پوسٹ مارٹم کر ڈالا۔ ان کے چہرے پر مایوسی ایک گہر تاریک سایہ بن کر ابھر رہی تھی۔

"اوں! تو تم نہیں مانو گے؟" وہ مونچھ سے بڑبڑائے۔ اور جیسے کلن کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے ان کی بزرگی کا خیال نہ کرتے ہوئے فی الفور نفی میں سر ہلا دیا۔

کسی طرح بھی نہیں؟

نہ!

اگر میں نے تمہیں عاق کر دیا تو؟"

تب بھی نہیں،" کلن کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔ "مگر آپ ایسا نہیں کریں گے"

"وہ کیوں؟"

اس لیے کہ اس صورت میں میں خود کشی کر لوں گا ۔ گلن نے غور سے مولانا کے چہرے کے بدلتے ہوئے
ں کو دیکھا ۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا ۔ اس خطرہ کی سب سے بڑی کمزوری پہ ہاتھ رکھ دیا تھا ۔
ت کا نام ہی سن کر ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا ۔ پھر ایسا آدمی اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کیسے
اشت کر سکتا تھا ! مولانا کا چہرہ اس وقت بے شمار منفی خیالوں کی پرچھائیوں میں نہایا ہوا تھا ۔ ان
ہر انداز ان کی اندرونی بے چینی کا مظہر تھا

اور گلن فتح و کامرانی کو ہمرکاب لیے وہاں سے چلا آیا ۔ ناکامی دم دبا کر بھاگ کھڑی
ہی تھی ۔ راستے کی ہر قدغن کو وہ عبور کر چکا تھا ـــــ اور پھر یہ بات رشتے داروں میں پھیل گئی ۔
والوں کو معلوم ہو گیا ۔ وہ ہلنوں کو پتہ چل گیا ۔ خبر کیا تھی ۔ جنگل کی آگ تھی کہ جس نے
ب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ۔ خیر خواہوں اور ہمدردوں نے مولانا کی ایماء پر آخری بار اس سر پھرے
و سمجھانے کی کوشش کی ۔ جذباتی اور نادان ٹھہرا کر اس کو اونچ نیچ سے آگاہ کیا ۔ عزت کا واسطہ دیا ۔ دنیا
والوں کے طعنوں سے ڈرایا ۔ مگر اس کے دل و دماغ پر سوار عشق کے طاقتور بھوت نے سارے منطق
اور جذباتی دلائل کو مسترد کر دیا ۔ بالآخر تھک ہار کر سب نے اس کو قسمت کے حوالے کر دیا !!

۲۲ کے بعد اس نے اپنے چند قریبی دوستوں کی مدد سے شادی کا انتظام کیا ۔ مولانا عیز چند ہم
کیے تھے ۔ بڑی بی کا ہنسا بچا ہوا رشتے دار ناراض تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ سب کچھ اسی کو کرنا پڑ رہا تھا ۔
خوشی کی زیادتی کے سبب حمیدہ کی ماں کی عمر میں پندرہ سال کی کمی واقع ہو گئی تھی ۔ اس کے سامنے
وہ سب کچھ ہو رہا تھا جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا ۔ شادی سے چند روز قبل اس کے
اس کے کان میں سرگوشی کی

"محلے والے جل رہے ہیں !"

وہ جل رہے ہیں ۔ یہ گلن کا جامع جواب تھا جس کے بعد کسی کے ذہن میں کوئی اور سوال [illegible]
اور پھر شادی ہو گئی ۔ اس نے سمجھا تھا کہ زندگی کا ہر گوشہ بہار کے بوقلموں رنگوں کا سجا سجایا
گلدستہ بن جائے گا ۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ دلہن ایک نیا شوشہ چھوڑ گئی ۔ تین سال گزرنے کے باوجود
ابھی تک جھوکی بھی تھی !

اس وقت اس نے دلہن کی ماں سے بات کی ۔ جب وہ سامنے آئی تو پہلی بار گلن نے اپنے دل
میں اس کے خلاف زہر آلود نفرت کو بیدار ہوتے محسوس کیا ۔ وہ منحوس یقیناً نفرت کی مستحق تھی کیونکہ
کو کھ سے حمیدہ جیسی مافوق الفطرت لڑکی نے جنم لیا تھا !
میں تم سے چند سوالات کروں گا ۔ ٹھیک ٹھیک جواب دینا ! گلن کی بات [illegible] کی طرح

"کیا حمیدہ نے کسی سے شکایت کی؟"

"تہمت! کیا کہہ رہے ہو بابو؟" بوکھلاہٹ نے اسکے چہرے کے نقوش متبدل کر دیئے

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے" اس نے ذرا تلخی سے کہا،

"نہ بابو اپنی برادری میں بڑی بات ہے" وہ سہم گئی۔ "حمیدہ بہت اچھی لڑکی ہے"

"ہوں! اچھا یہ بتاؤ کیا اس کو کوئی غم ہے؟" گلن کے چہرے پر ماہر نفسیات کی گمبھیر متانت ا جمان تھی۔

"غم کس بات کا بابو؟"

"پھر یہ بکواس کیا ہے؟ اس بیہودگی کا مطلب؟" وہ بری طرح برس پڑا۔"

"مگر اس نے کیا کہا ہے؟" حمیدہ کی ماں متوحش نظر آنے لگی"

"یہ اپنی صاحبزادی سے پوچھو!" گلن نے بُرا سا منہ بنایا، لاحول ـــ استغفار ـــ میں تو اب پچھتا رہا ہوں، اس سے تو کنوارا مر جانا بہتر تھا!" وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

دوسرے دن وہ آفس سے ذرا جلدی آگیا۔ اسوقت بھی اس کا ذہن مکڑی کے جالے کی طرح لجھا ہوا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ شادی کے فوری بعد ذہنی افکار کم ہو جاتے ہیں مگر یہاں تو معاملہ الٹا تھا

کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے حمیدہ کی آواز سنی وہ ٹھٹک کر دروازے کے قریب رک آس پاس کوئی نہیں تھا۔ دوپہر کا وقت تھا سب لمبی تان کر سو رہے تھے۔ اس نے دیکھا حمیدہ طاق بالکل روبرو کھڑی تھی۔ چونکہ اس کی پشت گلن کی طرف تھی اس لیئے وہ اسے آتا دیکھ نہیں سکی۔ وہ آہستہ ستہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ گلن دبے پاؤں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اسکی آواز پر ن لگا دیئے۔ وہ اپنے کام میں اس درجہ منہمک تھی کہ گلن تو کیا ارد گرد کی ہر شئے سے بے نیاز ہو کر رہ گئی تھی۔

اور پھر جیسے گلن کا وجود حیرت کی فراوانی سے پھٹنے لگا۔ اسکی آنکھیں جیسے حلقوں سے باہر آنے ں، چہرہ متضاد رنگوں کی آماجگاہ بن گیا۔ حمیدہ طاق کے سامنے ہاتھ پھیلائے گڑگڑا کر بھیک نگ رہی تھی۔

"اے بوجی اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔ میں تین دن سے بھوکی ہوں بابو! خدا تمہارے بال بچوں بھلا رکھے گا۔ خدا تمہاری مرادیں پوری کرے گا ـــ کچھ روکھی سوکھی بابو.... کچھ...." پھر اس طاق پر سے روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے اٹھائے اور یوں جلدی جلدی چبانے لگی جیسے بھوکا کتا ی [illegible] جاتا ہے۔

اب گلن کے لیئے وہاں ٹھہرنا دوبھر ہو گیا۔ یکلخت اسکی نظروں کے سامنے سے جیسے کسی ـ

ممتاز احمد خان (پاکستان)

حکمتِ عملی

وہ کئی ماہ سے منکر نکیر کی مانند اس کے گھر کی
ی کر رہا تھا۔ اسی گھر میں دو افراد موجود یعنی اسکی
ں اور نوجوان بیوی بھی اس کی راہ تک رہی
یں، ایسا لگتا تھا جیسے کہ وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر
ب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو،

وہ اپنی سرگرمیوں کی بنا پر "صاحب" کو مطلوب
ا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ "بڑے صاحب" کو
لوب تھا جو فرمایا کرتے تھے کہ اسے زندہ یا مردہ
ر کیا جائے ورنہ "صاحب" اور ان کے عملے کی
نہیں۔ ادھر "صاحب" اس پر انحصار کر رہے تھے
جانتے ہے کہ محکمے میں وہ واحد شخص تھا جو شکاری
کی مانند خوشبو سونگھ کر لوگوں کو زمین کی تہہ سے نکال
کرتا تھا،

جب کافی عرصہ گذر گیا تو ان کا پارہ چڑھ گیا
وں نے اسے طلب کیا اور دہاڑے۔

علیم! تمہاری کاروائی کہاں تک پہنچی!"

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ
ناکامی کی صلیب پر مصلوب ہو گیا ہو۔

"بولتے کیوں نہیں؟" اس بار "صاحب" اپنے
جسم میں موجود پوری طاقت سے دہاڑے۔

"مجھے کچھ اور وقت چاہئے"

"اچھا دفع ہو جاؤ"

اور وہ فوراً وہاں سے دفع ہو گیا!

"صاحب" نے اس کی فائل نکالی جس میں
اس مطلوب شخص سے متعلق خلاصہ تحریر تھا:۔ ذہین۔
فطین۔ قلندر صفت کسی کارخانے دار یا دیگر کسی
سرمایہ دار کا تنخواہ دار؟ اس بارے میں تفتیش جاری
ہے۔ سماجی انصاف ایسے بے ہودہ نعروں کا خالق
اور جرم:۔ "بڑے صاحب" پر بے جا تنقید۔

"صاحب" نے فائل بڑی احتیاط سے الماری
میں کچھ اس طرح رکھی جیسے وہ مقدس چیز ہو اور
بڑبڑائے ـــــ اس فائل کا ناگ کہیں مجھے ہی نہ
ڈس لے۔

جب کیلنڈر سے کئی ورق جدا ہو چکے تو "بڑے
صاحب" نے "صاحب" کو طلب فرمایا اور الفاظ
کے استرے سے ان کی اس طرح حجامت بنائی کہ
انہیں محسوس ہوا کہ ان کے دل کی دھڑکن اب رکی جب
رکی۔ اور جواباً انہوں نے بھی اپنے نائب کو طلب کر لیا
ان کا چہرہ قندھاری انار کی طرح سُرخ ہو رہا
تھا۔ وہ غصے اور خوف دونوں کی وجہ سے کانپ
بھی رہے تھے

"اسے کہیں سے بھی پیدا کرو ورنہ "بڑے صاحب"
مجھے پیدا کر دیں گے۔ پتہ ہے میں نوجوان بیٹی کا بھی
باپ ہوں"

"اسے کہیں۔۔ زمین نہیں مل رہا ہے اس کیس
میں، میں بے بس ہو گیا ہوں سر۔"

زیرو نوائیز ZERO NOISE روم ایئر کنڈیشنر ٹھنڈی ہوا پھینکتا رہا۔ کمرہ یخ ہو رہا تھا اس کے باوجود "صاحب" بولے۔

"اوف! اسقدر گرمی ہے"

یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور روم ایئر کنڈیشنر کی ناب KNOB آخری نمبر تک گھما دی۔

"تم درجۂ اول کے خبیث ہو" صاحب نے ہلکی سی گالی دی۔

"بجا فرمایا" اس نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

خاموشی!!!

پھر اچانک فون کی گھنٹی چنگھاڑی ——

"صاحب" بات کرنے لگے — جی — جی معافی چاہتا ہوں —— نئی حکمتِ عملی — ونڈر فل — بڑے صاحب آپ کسقدر ذہین ہیں۔ ہمارے پورے محکمے کا تجربہ آپ کے ذہن کے آگے ہیچ ہے — جی — سمجھا دوں گا — وہ میرے پاس ہی بیٹھا ہوا ہے اس نئی حکمتِ عملی پر فوری عمل ہوگا — نتائج سے فوراً باخبر کروں گا ——— خدا حافظ۔

پھر "صاحب" نے علیم کے کان میں نئی حکمتِ عملی کا صور پھونکا اور اسے رخصت کر دیا اور خود کوئی پرانا سا نغمہ گنگنانے لگے۔

دو ہفتوں بعد عین تپتی دوپہر داڑھی بڑھائے ایک طویل القامت شخص زرد چہروں کی منحوسیت لیے فلک بوس بلند و بالا عمارت کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا، وہ "صاحب" کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ اچانک ایک کالا بھجنگ، موٹا سا شخص تاریک اور بدبو دار کسیلن زدہ کوٹھری نمبر دس سے نکل کر "صاحب" کے پاس آیا اور اشارے سے اپنی خصوصی کارروائی کے متعلق بتایا۔ صاحب نے ایک ہاتھ کے اشارے چلتا کر دیا بعد میں کوٹھری نمبر دس کا دروازہ پھر کھلا جس میں سے صاف رنگت اچھے نقش و نگار والی ایک دبلی پتلی پژمردہ نوجوان عورت برآمد ہوئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور لباس پر لا تعداد سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں اس کے چہرے پر سراسیمگی اور آنکھوں میں نفرت کا طوفان اٹھا ہوا تھا "صاحب" اسے دیکھ کر مسکرائے جواباً اس عورت نے حقارت سے زمین پر تھوکا۔

داڑھی بڑھائے طویل القامت شخص نے اس عورت کو اسی پیار سے دیکھا جیسے کہ کئی ماہ قبل پہلی رات کو دیکھا تھا۔

وہ پھر "صاحب" فون کا ڈائل گھمانے میں مصروف تھے ——

تھے ایک آدھ مرا ہو کر لوٹ رہا تھا۔ دوسرے کی گردن لٹکی ہوئی تھی اور بار بار ٹانگیں زمین پر مار رہا تھا۔

مجمع دونوں مرغ کے قریب اکٹھا ہو گیا تھا مرغان زخمی ہو کر پنجے زخم چاٹ رہے تھے، لوگوں نے مڑ کر دیکھا تو آواز لگانے والے دونوں مرغ باز غائب تھے!

سید مشرف عالم ذوقی

بٹوارہ

بابا کی آنکھوں کے دیکھنے کا سلسلہ یگ سے جاری ہے ....

بابا کچھ بولتے نہیں۔ بس چپ رہتے ہیں۔ اور چپ چپ بولنے والے چہروں کا منہ تکا کرتے ہیں۔ کبھی اینٹھتے ہوئے جذبات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کبھی ہاتھوں میں حرکت کرتی ہوئی ہتھیلیوں پر آنکھیں ٹھہر جاتی ہیں اور کبھی ہتھیلیوں سے جاری ہوکے فوارے پر... مگر بابا نے اپنے ہونٹوں کو سی لیا ہے۔ ہوا مخالف ہو تو لب کیونکر بولیں گے۔ اور ہوا میں جب جنگ کے جراثیم گھل گئے ہوں تو بھلا بولیاں منہ سے کیونکر باہر آسکتی ہیں۔ بس کبھی کبھار موقع ملتا تو لاٹھی ٹیکتے ہوئے سفید پاجامے اور براق کرتے میں ملبوس مولوی برہان الدین کے یہاں پہنچ جاتے۔ برہان الدین بھی اکثر چپ ہی رہتے۔ ہاں اتنا ضرور ہوتا کہ جگجیت بابا کا اُٹھ کر استقبال کرتے۔ پھر اشارے سے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاتے۔ سلمان نکل کر باہر آتا تو دو چائے کا حکم بھی اشارے سے ہی دیکر chess نکال کر بیٹھ جاتے۔ شاید اخلاقاً یا ضروری انسانی تقاضے کی خاطر اندر کے انتشار اور کرب کو دباتے ہوئے بس اتنی سی آواز باہر نکلتی ... کیسے ہو؟

اور بدلے میں وہی رٹی رٹائی صدا جگجیت بابا کے ہونٹوں سے پھسل پڑتی۔ بس جی رہا ہوں" اور بابا پردہ بوڑھی آنکھیں گڑائے زمانے سے بے خبر ہوکر بیٹھ جاتے۔ کبھی کبھار فضا سے رام اوتار شاستری بھی [illegible] پڑتے۔ ڈنڈا ٹیکتے۔ آنکھیں [illegible] نمبر کے بائی فوکل [illegible] ہاں کرتی ہوئی شاستری کی ملی جلی باتوں [illegible] ہوتیں — اور [illegible] کی پوٹلی لے کر سلگ جاتے [illegible] انفلاش [illegible] ہو [illegible] کی ہلکی سی تبدیلی [illegible] تینوں بوڑھے خاموشی سے [illegible] اسرار ویرانی کا ایک حصہ بن جاتے —

شاستری جی نے بھی زمانہ [illegible] لے آنکھیں لے لیں تو کیا ہوا [illegible] آنکھوں میں اب دیکھنے کو باقی ہی کیا بچا [illegible] اس منزل پر تھے جہاں زمانے کی تھکن [illegible] تلخیاں آنکھوں کی تمام رونق اڑا کر لے جاتی [illegible] وہ اکثر کہتے "ان آنکھوں نے کیا کیا نہیں دیکھا [illegible] تھک گئی ہیں اور جسم کے بوڑھے کھنڈر میں آرام کرنا چاہتی ہیں۔ بوسیدہ یادوں کی کمزور عمارت پر اب بھی وہ ٹھہری ہوئی ہیں مگر اب [illegible] کل کو تلاش کرنا چاہتی ہیں ... بس ایک [illegible] کے لئے اوڑھ کر سو جانا چاہتی ہیں۔"

اب عجیب سی خواہش [illegible]

گہرے فلسفے اور لمبی عمر کے تجربے کو محسوس کر کے پریشان
ہو جائے گا۔ مگر بوڑھے ہونٹ صرف مسکرا کر رہ جاتے
ہیں۔ جیسے یہ غم تو دیکھا بھالا ہے.. اس سے تو میں بخوبی
واقف ہوں.....!

اور بساط سے نکلتی ہوئی باتیں۔ کبھی کبھی پرانے
پرانے زخموں کی ٹیس بن جاتی ہیں۔ بساط پر ہاتھ
روک کر پنڈت جی، جگجیت بابا سے پوچھتے ہیں "تمہارا
ورق تو بے وطن ہے۔ کہاں ہے وہ آجکل؟
جگجیت بابا کے چہرے پر... ہاتھ بساط پر چلتے ہیں
پہلے پاکستان والے نئے شوروم میں۔ روز روز بڑھ
رہا ہے...

چلو اچھا ہے۔ بس اب ایک ہو گئے...
جگجیت بابا کچھ بولتے نہیں۔ بس چپ چاپ
سے عاری چہرہ لئے۔ پاؤں کے پاس پڑی ہوئی لاٹھی پر ہاتھ
کی گرفت ذرا سخت کرتے ہیں۔ کوئی مسکراہٹ نہیں ہے
ان چہروں پر صرف جھریاں ہیں۔ اور جھریوں میں کھدی
ہوئی تاریخ ہے۔ تاریخ کے خون میں ڈوبے ہوئے
صفحات ہیں...

کھیل آگے چلتا ہے.... اور دھندلی دھندلی
آنکھوں کے فاصلے میں شاستری جی کے باتونی ہونٹ
بولتے رہتے ہیں -.. دنیا میں آنے کا ایک فائدہ تو
ہوا۔ ہم نے انقلابات دیکھے۔ دوسری جنگ عظیم دیکھی۔
بدلتے ہوئے چہروں پر خون کے مرے ہوئے خون کے
دھارے دیکھے۔ آنکھیں تب بھی تھکی تھیں مگر سوچتی
نہیں تھیں — بچوں سے بولتا ہوں تو ہنستے ہیں کہ
آنکھیں بھلا سوچتی ہیں... کیسے سمجھاؤں کہ یہ آنکھیں
تو جنم جنمانتر سے دیکھتی اور سوچتی آئی ہیں۔ جب سے

جب سے ان آنکھوں نے کچھ دیکھا ہے۔ تب سے سوچا ہے
دوسری جنگ عظیم کی تباہکاریاں ابھی تک ان آنکھوں میں
چلتی ہیں۔ جو لہو لہو شعلوں میں ہمارے سامنے آئیں....
جو انقلاب کی وجہ بنیں — اپنی غلامی یاد ہے... انگریزوں
کے ظلم یاد ہیں۔ تمہیں یاد ہے جگجیت بابا...؟
بساط پر چلتے ہاتھ رک گئے ہیں۔ ایک ٹھہراؤ آ گیا ہے
اور شاستری ویسے ہی بولے چلے جا رہے ہیں۔ تب
ہوٹلوں میں لکھا ہوتا تھا DOGS AND INDIANS ARE NOT
ALLOWED ہم میں اور کتوں میں فرنگیوں نے کوئی تمیز نہ کی۔
پر ہم نے کون تمیز کی۔ گھر جلاتے ہوئے ہاتھ کہاں آدمی
اور کتے کی تمیز کرتے ہیں۔ سڑک پہ لوٹتے اور رونا کرتے
ہوئے ہاتھ کہاں جانوروں کے چہرے پر مجبور چہرے کا موازنہ کرتے
ہیں۔ اب دو آدمی زور سے بولتے ہیں تو لگتا ہے کہ بھونک
رہے ہیں.. ایک کتا ان میں آ جاتا ہے اور جانے کیوں
لگتا ہے.. یہ کتا اب کاٹے گا... اب کاٹے گا..
اور سڑک پھر سے لہو میں نہا جائے گی..."
شاستری چپ ہوتے ہیں جانے کیا سوچ کر۔
ایک منٹ۔ دو منٹ — شطرنج پر بھاگتے ہوئے ہاتھ
اس اچانک کی چپ سے رک گئے ہیں۔ شاستری کیوں
چپ ہیں؟ شاستری کو چپ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی
بک بک میں زندگی ہے.. وہ بس بولتا رہے۔ یہی خواہش
ہوتی ہے۔ مگر کون جانتا ہے۔ بولتے بولتے کب اپنا کچھ
یاد آ جائے؟ کچھ بھلا.. کچھ برا.. اپنے سے وابستہ کچھ
کہانیاں.. جن میں کچھ سو فائیں ہوں.. اور سو فائیوں
میں سرخ رنگ چھپا ہو.. سرخ رنگ اچانک آنکھوں
میں آ جائے تو آنکھیں خونریز ہو جاتی ہیں۔ پھر اتنا ہوتا
ہے کہ ایک کھٹکے کی آواز ہوتی ہے اور جب تک بساط

کو گھیر کر بیٹھے ہوئے دو بوڑھے کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں
ان کے درمیان سے ایک بوڑھا لاٹھی ٹیکتا ہوا دور جا چکا ہوتا ہے

شاستری چلا گیا —

کل وہ پھر آ جائے گا۔ اپنی پرانی بولیوں کے ساتھ شطرنج کی بازی بغیر جیتے ہی ختم کر دی گئی ہے چائے خالی کر کے ٹیبل پر رکھ دی گئی ہے۔ سرحد کا بے زبان مکالمہ ادا ہو رہے ہیں۔ اندر کا درد پوپلے ہونٹوں سے بس اسی قدر آواز باہر نکلتی ہے ... "ننھے بچے ہم پہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم پرانے ہیں۔ ہم انہیں سمجھتے نہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے۔ وہ کیا جانیں کہ ہم نے کبھی پورا سالم ہوا دیکھا ہی نہیں جو بھی مخالف ہوا۔ جب بھی سینگ کے مقابل۔"

تمہیں اپنوں کی یاد آتی ہے برہان؟ جگجیت سوال کرتے ہیں۔

یاد کب نہیں آتی۔ کون اپنا درد ہے مجھ سے میرے دل سے۔ سب تو ابھی قریب ہیں۔ لگتا ہی نہیں کہ دور چلے گئے فوج سے نہ پاکستان بنتا نہ گھر کا بٹوارہ ہوتا۔ یہ بوڑھا اپنے چھوٹوں کو رخصت ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ منجھلے بھائی اکرم کے انتقال کی خبر سنی تو بچپن کی شرارتیں یاد آ گئیں۔ اس وقت کتنا چھوٹا تھا۔ ابھی ٹھیک طرح سے بھائی سے گلے بھی نہ مل پایا تھا کہ چچا دونوں بھائیوں کو لے کر پاکستان چلے گئے۔ میری ضد پر مجھے چھوڑ گئے۔ اکرم کا بیٹا بھی دو سال پہلے گزر گیا۔ اس کو تو بس ایک دو بار ہی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ سننے میں آیا ہے کہ ناصرہ کو کینسر ہو گیا ہے اللہ بچائے۔ بس دے کے یہی بہن تھی۔ یہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان جا بسی۔ تین بچے ہیں۔ صرف ایک لڑکی کی شادی ہوئی اور موت گلے لگانے بیٹھی ہے۔ بس یہی سوچ سوچ کر ادھ مرا ہوا جاتا ہوں کہ ان لوگوں سے کب مل پاؤں گا یا کبھی نہیں —؟

جگجیت چپ ہو گئے ہیں —

شاید یہ وہ داستاں ہے جو ایک خاص عمر کے بعد شروع ہوتی ہے۔ والہانہ محبت کا پیچھا ایک خاص عمر میں چھوٹتا ہے۔ تلاش معاش اور دیگر ضرورتیں رشتے ناطوں کے بیچ اس طرح اثر پذیر ہوتی ہیں کہ پل میں سب ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور پھر ایک کہانی مختلف واقعات اور مختلف حادثات کی شکل میں سامنے آتی ہے .....

جگجیت بس اتنا کہہ پاتے ہیں ... برہان الدین یہ غم صرف تمہارا نہیں ہے۔ میرا بھی ہے۔ شاستری کا ہے۔ اور جانے کس کا کس کا ہے .....

آہستہ سے اٹھتے ہیں جگجیت بابا۔ لاٹھی ٹیکتے پھر نڈھال قدموں سے گھر چل پڑتے ہیں۔

لاہور کی یادیں ذہنوں میں اب بھی تازہ ہیں کون بھلا سکتا ہے انہیں۔ وقت کی آندھیوں نے یادوں کی عظیم الشان عمارت کو تو ہلا دیا مگر اوراق یادوں کے دلوں سے دور نہ لے جا سکیں۔ پنجاب کے بٹوارے کا ایک زخم دل میں چھپا۔ گلے سے دین کی تیرہ سالہ بہن رخصتی کے وقت پھوٹ پھوٹ کر روئی کتنی ہی آنسو بار بار روک رہی تھی۔ "سیاپا" کرنے والوں کا ہجوم سے آنکھوں میں بچے خواب لیے دیکھ رہا تھا۔ تم بھی چھوڑ جاؤ گے بھیا.....

"نومین" کی آواز آسمانی چھتوں پر منڈراتے گدھوں کی آنکھوں میں، اتنی اچھی پگڑی والیا۔ کتنے چھوٹے تھیا لال جوڑے والی موں۔۔ ہائے ہائے میرا۔ ہائے ہائے میرا۔۔۔

بھیا۔۔۔ جیسے کوئی دامن پکڑ کر بیٹھ گیا ہو۔ اس نے موراں بہن کو دیکھا۔ بھرائے گلے سے آواز باہر نکلی۔ یہاں کون غیر ہے بہن جی۔ یہ اب تلوار کی چھری جسم میں اتر گئی ہے۔ اب یہاں دل نہیں لگتا۔

وہاں سے آرہ تک کا سفر ایک لمبا سفر ثابت ہوا۔ وقت کبھی زخموں کو بھر دیتا ہے مگر بعض گہرے زخم بھرنے کی اس میں طاقت نہیں ہے۔ پنجاب کا زخم گورونانک مارکیٹ میں شاندار دکان ملنے، بزنس کے پھیلنے اور کئی کپڑے کے شوروم کھلنے تک باقی رہا بلکہ وقت کے ساتھ اور پھیلتا گیا۔ گہرا ہوتا ہو گیا۔ لاہور کی گلیوں کے ہنگامے، موراں بہن کے سیاپے کی دردناک فضا، امریندر کا خون میں ڈوبا ہوا جسم۔ مہندر کی بھری ہوئی کوکھ، اور ایک دہشت بھرا ماحول۔۔۔۔ بجھتی آنکھوں میں اب تک سب زندہ تھا۔ بچوں کی آنکھوں کی تازگی اور ان سے پیدا ہونے والے نئے نئے خواب کبھی کبھی کچھ بھلا پانے میں کامیاب ہوتے مگر گہری خاموشی میں گرنتھ صاحب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہاتھ ٹھہر جاتے۔ گرو تیغ بہادر اور گوبند سنگھ کی یادوں سے ہوتا ہوا قافلہ پنجاب کے پیٹ میں اترتے ہوئے قصاب کے چاقو کو دیکھنے لگتا اور آنکھوں میں پھر وہی خونی تاریخ رینگ جاتی۔

اکثر برہان الدین جب وقت کی بے رحمی کا چرچا لے کر بیٹھتے تو خلافت کے خاتمے کے ذکر پر اداس ہو جاتے۔۔۔ نادان ترک نے خلافت کی قبا چاک کر دی۔ ایک سے لباس میں سب ایک سے چہرے تب کتنا اچھا لگتا تھا۔

جگجیت بابا آنکھوں میں کچھ پرانی تصویریں زندہ کر لیتے۔ آج سے ۲۸۵ سال قبل یعنی ۱۶۹۹ میں گرو گوبند سنگھ نے بھی اسی واسطے خالصہ کی بنیاد ڈالی تھی۔۔۔ ایک سے لباس میں سب ایک سے چہرے ہیں ایک مخصوص لباس جس میں سب دور سے پہچانے جائیں

نظریں تعاقب کرتی ہوئی ہر منڈی اور ٹھیر پر ٹھک جاتیں۔ ہر منڈی کے بڑے بڑے کبھی چھوٹے بھائی امریندر کی یاد تازہ کر دیتے۔۔۔ ایسا ہی قد اور جسم پایا تھا، امریندر نے، خاص پنجاب کا لہر دوڑ رہا تھا اس میں۔ کھلا ہوا سونت چہرہ تنے ہوئے بازو۔ ہٹا کٹا لمبا نوجوان۔ سر کے چھوٹے بال پنجاب کی گزری کہانیوں میں اور لیلیٹ بھیا کو تلاش لیتے جو ہر پہلی دسہرے، اور بیساکھی تیوہار میں جی بھر کر ان کا ساتھ دیا کرتے۔ بچہ صاحب کے یہاں جاتے۔ نانک جی کی پیدائش کے موقع پر گھر کے سارے لوگوں کو ان کے یہاں بھیج دیتے۔۔۔ اور ہولی کے موقع پر سارا جسم رنگوں میں کھو جاتا ۔۔ لوکاں دیاں ہولیاں تے خالصے دا ہولا ئے

سوچا تھا گزرے ہوئے وقت کے ساتھ سب کچھ ختم ہو گیا۔ یہ یادیں لاہور کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں۔ مگر نہیں۔ شاید وہ بھولی ہوئی تھی

جب وہ اداس تھے۔ بدن میں نشتر چبھے ابھی دن ہی کتنا ہوا تھا۔ کرایے کے مکان سے باہر ہولی کھیلتے ہوئے بچوں اور جوانوں کو دیکھ رہے تھے۔ تب تک دو جوان قدم آگے بڑھے۔ خوبصورت چہرہ۔ تنا ہوا سڈول جسم۔ انکے رنگوں سے شرابور کر لیا انہیں اچانک اس والہانہ محبت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سب کچھ بھول کر دونوں کے گلے لگ گئے۔

ہم آپکے پڑوسی ہیں بھائی۔ محبت کے رنگوں کا آپ نے برا تو نہیں مانا"

جگجیت سنگھ نے گلے لگا لیا۔ آج تو تم نے زخم بھر دیئے دوستو۔ نہیں معلوم تھا۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں "میرا نام شاستری ہے۔ رام اوتار شاستری ۔۔۔ دوست برہان الدین"

جگجیت ایک بار پھر گلے لگ گئے۔ برہان کے چوڑے چکلے سینے میں عجب سی تمازت اور گرمی کا احساس ہوا۔

بھائی ہم تمہارے قریب ہیں۔ جب ضرورت پڑے"

آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیئے وہ لپکتے قدموں سے اندر آئے ۔۔۔ مہندر ۔۔ مہندر ۔۔۔

آنکھیں ٹھہر گئیں ۔۔۔ شلوار جمپر میں مہندر بہت اچھی لگ رہی ہے ۔۔ مہندر ہوئی زندہ ہے ۔۔۔ وقت اگر زخم دیتا ہے تو زخم بھرنا بھی جانتا ہے۔

مہندر بازوں میں چلی گئی رنگوں سے شرابور ہو کر ہوئے تھے اچانک وہ پھر سے گنگنا اٹھے ۔۔۔ لوکان دیاں ہو لیاں نے خالصہ دا ہولا اے ۔۔۔ لوکان دیاں ہولیاں "

بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ بچوں کو ایک ساتھ بڑا ہوتا ہوا دیکھ کر کتنا اچھا لگتا ہے۔ پاکستان کے بٹوارے نے آنکھیں نم کیں۔ برہان الدین کا بھرا پورا خاندان خالی ہو گیا۔ خاندان کے زیادہ لوگ پاکستان جا بسے۔ آنکھوں سے گنگا جمنا بہی تھی ۔۔۔ اب لگتا ہے کہ بوڑھا ہو چلا ہوں ۔۔۔ کل تک احساس نہیں تھا بھائیوں اور بہنوں میں وہی لاڈلا بنا عمر کے احساس سے دور رہا گیا تھا۔ اب گھر میں بسری ہوئی جیسی خاموشی اچانک تنہائی سے نکل کر بڑے ہوتے ہوئے بچوں میں سما جاتی ہے ۔۔۔ ادھیڑ عمر کا احساس اندر پلنے لگتا ہے۔ گھاؤ کی طرح۔ کل مل پاؤں گا ان سے یا کبھی نہیں ۔۔۔ شاید کبھی نہیں۔

شاستری کی مسکراہٹ میں طنز چھپا ہوتا۔ وہ دیر تک اس مسئلے پر دل کا غبار نکالتے رہتے ۔۔۔ برہان الدین لمبا کھینچ کر بیٹھ جاتے ۔۔۔ اور وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

جگجیت برہان الدین کے زخم سے واقف تھے۔ برہان الدین نے اپنے بھائی اور بہن کی محبت کی جو تصویر سامنے رکھی تھی اس نے کئی خون آشام جگہ کو ڈھک لیا تھا۔ کرایے کی مکان کی زندگی اب بوجھ لگنے لگی تھی۔ دکان جم گئی تھی۔ سردار دکان کی اچھی خاصی پہلے شہر میں قائم ہو گئی تھی۔ سردار باز میں سکھوں نے اچھی خاصی زمین خرید لی تھی اور وہاں مکانات بننے لگے تھے۔ برہان الدین کھاتے پیتے گھر کے تھے سیکڑوں بیگھا زمین۔ کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ رئیسانہ شان آج بھی قائم تھی۔ شاستری اچھے گھر کے تھے۔ ڈلی۔ او آفس میں ہیڈ کلرک شام کے وقت ڈیرا برہان الدین کے گھر ہوتا ۔۔۔

شوروم میں بچوں کو بیٹھا کر جگجیت بھی وہاں پہنچ جاتے۔ باتوں کا ایک لمبا سلسلہ چل پڑتا۔ برہان زیادہ تر چپ رہتے۔ شاستری بولتے رہتے... اور جگجیت کی نگاہیں chess پر دوڑتی رہتیں۔ اس دن جگجیت خوش تھے۔ آہستہ سے بولے۔

"بھائی لوگو! سردار باڑی میں میرا مکان بن گیا ہے۔ پرسوں شاندار دعوت رہے گی۔"

"قبول ہے جی جگجیت۔ اب تو برسوں کا پیمانہ لگتا ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو یار لوگو!" جگجیت آہستہ سے بولے۔ "پنجہ صاحب کی قسم۔ تم لوگ بھولنے کے لائق نہیں ہو۔ جھرماں والیاں، بختاں والیاں ہمیشہ ہمیشہ تمہیں خوش رکھے۔۔"

آنکھوں میں چند آنسو سمٹ آئے۔ نہ معلوم یہ آنسو کیسے تھے۔ شاید برسوں بعد محلہ چھوڑنے کے غم میں بہہ گئے تھے یا برسوں بعد یاروں سے کچھ دور جا بسنے کے خیال سے آ گئے تھے...

اور اس دن جب جگجیت کا سامان اپنے نئے مکان کے لئے ڈھویا جا رہا تھا، شاستری ہچکیوں میں رو رہے تھے۔ برہان الدین اور جگجیت دونوں چونک پڑے۔ دوست کے کندھے پر کانپتا ہوا ہاتھ رکھا۔ شاستری نے گلے لگا لیا۔

دوسری جنگ عظیم میں بھی یہ آنکھیں اسقدر نہیں بھیگی تھیں۔ ایک تسلی ملی تھی۔ اپنے گھر کی بیوی بچوں کو تسلی۔ بیوی کے غم نے بچوں کے لئے رونے سے بعض رکھا تھا۔ پاکستان کے بٹوارے کو آزادی کے خیال نے رونے سے روک کے رکھا تھا۔ غم ضرور ہوا کہ بھائیوں نے اپنا ایک الگ گھر تعمیر کر لیا۔ مگر محلے میں آیا ہوا ایک بھائی جسنے سارے غموں کو بانٹ لیا تھا، اب محلے کا یہ گھر چھوڑ کر دوسری جگہ جا رہا ہے تو خود کو تنہا پا رہا ہوں...۔"

اور اچانک جگجیت مسکرا اٹھے "بھائیا جی! ہم ملتے رہیں گے.. بھائیا جی...!!"

برہان الگ کھڑے کچھ سوچتے رہے
غمگین اداس چہرے کے ساتھ
بساط کس قدر پھیلتی جا رہی ہے
بساط کسقدر پھیلتی جا رہی ہے

ہرمندر نے کپڑے کی نئی دکان کھولی تو شوروم کا افتتاح برہان الدین نے کیا۔ چشمے سے جھانکتی گہری آنکھیں ہرمندر کو مبارکباد دے رہی تھیں۔ شاستری بھی خاموشی سے مسکرا رہے تھے، مگر جگجیت چپ تھے۔ جانے کیسے لاوے تھے۔ جو اندر سلگ رہے تھے۔ پھر ایک نئے پنجاب کا خواب۔ ہرمندر کی آنکھوں میں پلنے والے خوفناک جانور کی آنکھیں۔ برہان الدین کو دیکھا۔ بولتے بولتے برہان الدین رو پڑے۔ جانتے تھے بیوی کے غم نے برہان الدین کو توڑ دیا ہے۔ پہلے دو بڑے صدمات نے نڈھال کر دیا ہے۔ کچھ دن پہلے بچی بھی زچگی میں بچے کو جنم دینے کے بعد چل بسی۔ پھر بیوی۔ برہان ہم حادثات میں جی رہے لوگ ہیں جن کا لمحہ لمحہ حادثوں میں گزرتا ہے۔ لوگ کہتے رہے۔ برسوں کی قربتیں برہان کو رلا دیا ہے۔ مگر وہ تو برہان کے جھری نما چہرے میں برسوں کی تھکن دیکھ رہے تھے۔ چہرے پر جھولتے چشمے سے برسوں کی تمازت محسوس کر رہے تھے۔ جلد ہی ریٹائر ہو چکے تھے۔ بیوی تو کب کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ دو لڑکیاں تھیں۔ دونوں شادی کے بعد اپنے

سسرال جا بسی تھیں۔ ان سب کو اندر دبائے مسکراتا رہتا ہے شاستری۔ اندر کی چبھن دبائے، بولتا رہتا ہے۔ شاستری۔ جب بچوں نے دکان سنبھال لی تو کسی قدر آرام کی سانس لینے کا موقعہ ملا تھا جگجیت کو مگر مہندر کور کی اچانک موت نے ایک ساتھ دو واقعہ کو مٹا دیا تھا۔

ہرمندر کہہ رہا تھا۔ بابوجی! اس گھر کی اینٹ اینٹ سے دو طرفہ مذہب کی بو آتی ہے۔ میں یہ گھر چھوڑ رہا ہوں۔ ماں کی زندگی تک ماں کا خیال کیا پر اب نہیں رہ سکتا...

تم چلے جاؤ گے..

ہرمندر کا سر جھک گیا۔ دوسرے موڑ پہ ہرمندر سر جھکائے کھڑا تھا۔

تم صرف جانا چاہتے ہو یا خون کا بنا یہ رشتہ بھی توڑنا چاہتے ہو..

شاید دونوں بابوجی "

ہرمندر کا صاف صاف جواب تھا۔

جگجیت ... [illegible] ... کانپ گئی ریشے ریشے میں طوفان آ گیا۔ شریانوں میں خون اچھل اٹھا۔ تم جاؤ گے... تم چلے جاؤ... چلے جاؤ...

سامان ... جگجیت دیکھتے ... دیکھتا رہا۔ بچے اپنے پیروں پہ کھڑے ہو کر پیروں کی زمین بھی دبا چکے ہیں۔ ... سب کچھ بانٹ چکے ہیں صرف پچھلا بھول جانا چاہتے ہیں۔ ... وہ پچھلا جسے وہ آج بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں ہرمندر ... رہا ہے..

نہیں نہیں یہ تو ... پھلتا ... رہا ہے خون ... ہوا ... بھی ... کی یاد دلاتا ہے۔

امریندر.....

ہرمندر کی بدلی ہوئی کیفیت وہ کئی روز دیکھ رہے تھے۔ جب اس نے حالات کی ... سرخ چہرے کے ساتھ اپنی جائز مانگ کا اعلان کیا تھا۔ وہ دبی دبی زبان میں بس اتنا ہی کہہ پائے تھے۔

بیٹا پاکستان کے بٹوارے نے بھی ہندوستان کے دل کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔ یہ میری مانگ بھی ہے۔ جیسے کہ یہ میرا گھر ہے ... میرے گھر میں میرے تمام بچوں کے الگ الگ کمرے ... کر اپنا ایک الگ کمرہ لے لو ... گی۔ یہ اچھی مانگ نہیں ...

ہرمندر ...

پھیلنے کی ساز ...

کی عادی بنا دینے کے لئے ...

رہا ہے۔ جنگ میں ہم ...

ہیں۔ یہ تاریخ گواہ ہے ...

کی تاریخ رنگی ہوئی ہے ...

ہندو ذات نے انہیں کیا دیا ہے؟

"بیٹا" ...

رہ گئے تھے جگجیت۔

ہرمندر سر جھکائے کھڑا تھا۔

اپنی عادت کی طرح خاموش ...

ہوا۔ ہرمندر کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا ...

چاہتے ہیں۔ وہ ملنا چاہتے ...

ہرمندر چلا گیا۔

سامان ... تھا ...

[illegible]لتے بولتے چونک گئے ۔ برہان الدین لمبی لمبی سانس [illegible]ھرنے لگے ہرمندر جل گیا۔ تم نے خبر تک نہ کی۔ ایسا غیر [illegible]کھا نہیں ۔ جھری بھرا چہرہ داستانِ غم بن گیا۔
بچے تاریخ بنانے لگے ہیں۔ اب بڑے ہو گئے ہیں
[illegible]جگجیت کے ہاتھ میرے کانپ گئے۔
کھیل ٹھہر گیا ہے
پنجاب میں سکھوں کی جزمی حالت ہو گئی
[illegible]کھی کے دن اکال تخت میں اکالی لیڈر و
۳[illegible] لوگوں کو کر دیا مارو کا شیشہ گرہن کرایا
[illegible]ب کچھ سن رہا ہوں دوستو ۔ ہرمندر کی زبانی
[illegible] ۔ [illegible] ھا کم سنا زیادہ
[illegible] جگجیت [illegible]
کھیل [illegible] [illegible] ہرمندر [illegible] [illegible]
[illegible] روم [illegible] پھٹا تھا لباس کی تیز آواز
[illegible] کے پاس [illegible] ان کے بوڑھے جسم میں [illegible]
[illegible]
[illegible] بار بڑا معتبر نیو بارت ۔ [illegible]
[illegible] اور بھنڈراں والا نے کہا ہے ۔ آج شہیدی
جتھے کا گٹھن ایک تاریخی ضرورت ہے ۔ ہمارے گرو [illegible] گرو سکھ پنتھ کی گریا کو بنائے رکھنے کے لئے آتم بلیدان
[illegible] ایک ماترک مانا ہے ۔ سکھوں پر پولس اتنا [illegible] رہی ہے ۔۔۔ ہم غلامی میں جکڑے ہیں ۔ پولس گرودواروں [illegible] داخل ہونے کا ناپاک ارادہ رکھتی ہے۔
ہم مقابلہ کریں گے۔
آہستہ سے بولا تھا ہرمندر ۔ بڑے سہل
جواب دیا تھا دوستوں نے ۔ ست سری اکال
اندر کانپ گئے تھے [illegible]

بابا ۔ اپنے بوڑھے ہوتے ہوئے وجود کے ساتھ ۔
کھیل چلتا رہتا ہے ۔ باتیں ہوتی رہتی ہیں۔
شاستری کہہ رہے ہیں ۔ پنجاب کی صورت حال بے حد نازک ہوتی جا رہی ہے ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس کا اثر کتنا گہرا ہو گا ۔ اب تیجا لگیری رنگ اختیار کر چکا ہے ۔ سکھوں کی جماعت نے فیروزاپور اور شری گنگا نگر میں سٹین گن اور رائفلوں سے بھری ہوئی ٹرک لوٹ لی ۔"
" سنتے ہیں جگجیت ۔ کچھ بولتے نہیں ۔"
" مال خانہ سے اسلحے چوری ہو گئے"
" پنجاب پولس سے سکھوں کو الگ کیا جانے لگا۔"
" مال خانہ سے کچھ نکالے جانے لگے ۔"
" لوگ بغاوت پر آمادہ ۔"
" پنجاب میں کرفیو !"
بستا اپر چلتے ہوئے جھری بھرے ہاتھ کا [illegible] اٹھ رہے ہیں پھر وہی شروعات ۔۔۔ !
بولتے بولتے شاستری دھندلی دھندلی آنکھوں سے جگجیت کو تکتے ہیں ۔ تم ان کے بارے میں کیا سوچتے ہو جگجیت ؟
بچے ہاتھوں میں گن اٹھا لیں تو کیا کرو گے تم !
کون سا عمل دہراؤ گے ؟
سوکھے ہونٹوں پر جمی پپڑیاں کانپ گئی ہیں
فاسد ہواؤں نے اب کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کے لائق نہیں رکھا ۔ صرف سہرا [illegible] [illegible] جا رہا ہوں۔ [illegible]

سے سینے میں بھینچا ۔ کہا ہے پتر"
پتا جی ملنا چاہتے ہیں
یہ دروازہ تو ہمیشہ کھلا ہے ۔ وہ خود الگ
ہوا ہے ۔
آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔

شام میں ہرمندر آیا ۔ چپ چاپ بیٹھا رہا
ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں ۔ وہ جان بوجھ کر
پنجاب کے مسئلے سے الگ ہٹ کر گھریلو واقعات میں
الجھے رہے ۔ ایک بار بھی تو اس نے مہر کی خیریت نہیں
پوچھی ۔ یہی بات دل کو کھل گئی ۔ مگر جیسا [illegible]
ہوا ۔ ہرمندر نے پھر وہی بات چھیڑ دی ۔
پتا جی ۔ پنجاب میں پریسیڈینٹ رول لگ گیا
ہے دنگائیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم ہے ۔ یہ
دنگائی کون ہیں بابوجی ۔ ہم ہیں یا آپ ؟ کون [illegible]
ہنگامہ ہے کہ ۱۹۶۵ کی طرح کچھ گھس بیٹھیے [illegible]
کر کے چلے آئے ہیں ۔ کون آتے ہیں سیما پار کر کے
بنگلہ دیش میں ہوئی فوجی بغاوت کیوں بھلا دی
جاتی ہے ... ؟

ہرمندر ہانپ رہا ہے ۔ پنجاب سلگ رہا ہے
بابوجی ۔ اسے بچانا ہمارا فرض ہے ۔ گورو گوبند سنگھ
کی قسم ۔ خالصہ کی قسم ہمارا فرض ہے ... انہوں
نے ہمارے پوتر استھان گندہ کیا تو ... ؟
تو ؟
جگجیت بابا کی مٹھیاں بھینچ گئیں ۔ خود کو
سنبھالے رہے ۔ سہن کرتے رہے پھر آہستہ سے بولے
یہی اپدیش دینے آیا ہے [illegible]
[illegible] کیا پڑھتا ہوں ... پوچھا تھر کی چھت [illegible]

برستے ہوئے پتھر میں بھی وہ کھڑا ہو [illegible]
ہرمندر غصے میں سلگ گیا ۔ [illegible]
اور فول بکتا ہوا دروازے کے باہر نکلا
آہستہ سے بڑبڑائے جگجیت ۔
تم نے کیسے بیٹے کو جنم دیا ہے ۔ پنجاب [illegible]
میرے بدن میں بھی ہے مگر [illegible]
آنکھیں بند کر لوں ۔ [illegible] ممکن [illegible]
پھر آہستہ [illegible]
کی باتیں [illegible]
بولا تو ...
[illegible]
[illegible]
موروں [illegible]
خون کی [illegible]
لوگو !
[illegible]
کا شکار ہو گئی
[illegible]
کے سہارے [illegible]
[illegible]
میں [illegible]
ہیں پہلے [illegible]
[illegible]

اسٹ ابھر آئی ہے

"صدر راج کا نسخہ بے اثر ثابت ہوا... پولس
...قلی ڈاڑھی اور مونچھوں والے سکھوں کو پکڑنا
...کر دیا ہے۔ کون ذمے دار ہے اس وحشت کے
...رقص کا؟ اکالی پارٹی۔ دربار اسنگھ یا حکومت
...گولڈن ٹیمپل میں اسلحے سے لیس لوگوں
...باتے۔ ...وقت کی تربیت دی جا رہی
... پولس نے چھاپا مار دیا
... دہشتوں کا جنم..
... میں لکھے

UNITED STATES OF ...

... شاستری۔
... ہونٹوں سے
...ے ایک بات ٹھیک بولی شاستر
...کون مرے گا... جو...
... شاید اگر ایسا
...یا جائے تو ہم تینوں ہی جلدی جلدی ہاتھ
...

...ھوں اور حادثوں سے الگ ایک تیز قہقہہ
... شاید پہلی بار گونجا اور اس کا خاتمہ ایک
...ہمٹی پر ہوا۔

جگجیت بابا کو افسوس ہوا تھا اس دن جب
...ہوا تھا کہ آئین ۲۵ کو جلا دیا گیا ہے۔ مر
...پر بھی موت سا سناٹا جھول رہا تھا۔ چہرے
...سوال تھے.. جگجیت کچھ بولے نہیں کر
چلے آئے۔ گرنتھ صاحب پر حسرت سے نگاہ

ڈالی۔ وقت نے یہ رسم بھی توڑ ڈالی بچوں
میں اور دانش بھیا رینگ گئے۔ پہلی بار بچوں کی نادانی
نے جگجیت بابا کو رلا دیا۔ شاید آئین ۲۵ نہیں جلایا
گیا۔ ہندو مذاہب اور سکھ مذہب کے بیچ خلوص و محبت
کی جو عمارت تعمیر کی گئی تھی، چند ناسمجھ بچوں نے
پاگل ہو کر اسے ...نگ پارٹی کر دیا تھا۔

"نہیں... نہیں..."

پکارنا چاہا۔ پر حلق سے آواز باہر نہیں نکلی۔
... اندر گھٹ گئی تھی آواز.. ... صاف ...
... ٹھہر... بابا بڑا عجیب لگتا ہے۔ جیسے
...ے لوگوں کے بیچ ... گیا ہوں۔ ...
بھولا۔ آتا رہا۔ ... ولائی طبیعت لیے ...
گیا منع کرتے۔ کیا لیتے۔ بچوں کے ایک سے رنگ ...
...کہتا رہا... دیکھتا ... پنجاب کے واقعات
نے ہمیں ...بنا دیا ہے... کا متوسط طبقہ
... نستا ہے... پھبتیاں کستا
ہے۔ سن سن کر دماغ جلنے لگتا ہے... کمینے
کرتے ہیں... ...
سے ہماری پگڑیوں اور مخصوص لباس کا مذاق اڑایا
جاتا ہے.. اب تو ... ہے پتا جی....."

بیسا طالبجی ہے۔

برہان الدین کانپتے ہونٹوں سے کہہ رہے ہیں
کل پاکستان سے خط آیا ہے۔ باصرہ مر گئی۔ باصرہ چلی گئی
بزم میں بس یہ بوڑھا بیٹھا ہے.. اپنے چھوٹوں
کی رخصتی کا تماشہ دیکھنے کے لئے۔ بچپن میں باصرہ کے
ساتھ کتنی ہی شرارتیں کیا کرتا تھا۔ ... ایک
ایک بہن تھی۔ گھر بھر کی لاڈلی۔ سارے گھر میں ناچتی

بھری۔ طوفان اٹھائے رہتی۔ تب کتنی رونق تھی
گھر میں۔ گھر کے ہر فرد کی چہیتی۔ جانے وہ کون سا
غیر محفوظ جذبہ تھا جو سب کو پاکستان کھینچ کر لے گیا۔
باہر کے دونوں بھی وہیں باہر کو لے گئے۔ اب بتاؤ
کون بچا ہے۔ لے دے کر یہ بوڑھا۔۔ جو عزیز
تھے آخری آرام گاہ تک ساتھ نبھاتے، وہی قبل از وقت
رخصت ہو گئے۔"

آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے ہیں...

جگجیت بس آہستہ سے اتنا بول پاتے ہیں:
"ہم وقت کی بربادیوں کے شکار ہو گئے برادر۔ جب
بہت گھبراتا ہوں تو لاہور میں لوٹ جاتا ہوں..."

مہرے بساط پر پھیلتے جاتے ہیں۔

"پنجاب میں دنگائیوں اور دہشت پسند عناصر
کے پھیلتے رجحان سے گھبرا کر حکومت نے وہاں ملیٹری
حکومت قائم کر دی ہے۔ فوج اور گرنتھیوں میں زیر
دست جھڑپ چل رہی ہے۔ پولس مندر میں داخل ہو
گئی ہے۔ ہنگامہ پسندوں نے کئی جگہوں پر آگ
لگا دی ہے۔۔ لونگوال اور بھنڈراں والا فرار ہے"

شاستری اخبار کی تازہ سرخیوں میں کھوئے
دھندلی دھندلی آنکھوں سے دونوں بوڑھے چہرے
تکے جا رہے ہیں۔۔

تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہو؟
جگجیت کی آنکھوں میں شک ہے
برہان کے ہاتھ کانپ گئے ہیں
جانے کن جذبوں کے تحت...

شاستری نے ڈنڈے پر اپنی گرفت سخت کر لی
ہے۔ گلوکوما کی شکار آنکھیں آواز کی جانب اٹھ گئی
ہیں۔"

"تمہارے بارے میں۔ مطلب تمہاری قوم
کے بارے میں... اچھا سوال کیا ہے جگجیت تم نے
شاید بہت سارے شک آلود نگاہوں سے گھبرا کر
تم نے یہ سوال میری جانب کیا ہے کہ ایک دوست
کی کیا رائے ہے۔۔ اس کا جواب تم بہتر دے سکتے ہو۔
اس لئے کہ پاکستان بننے کے وقت بھی تم یہیں تھے۔
پولس نے جب جب تفتیش کرنی چاہی ہے، جواب
مندر کی چھتوں سے برستی گولیوں سے ملا ہے۔ افراد
کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ اگر پاگل ہو جائیں
تو ہم ساری برادری کو پاگل نہیں کہہ سکتے۔"

ایک تسلی ملی تھی جگجیت کو چلتے وقت۔ "ہم لوگ
سمجھائیں گے۔۔ ہر مندر کو بتائیں گے۔۔ وقت کے ٹھہرے
ہوئے پانی میں کچھ لوگ باقی ہیں جو اچھا سوچتے ہیں۔
تحریک کبھی نشہ آور نہیں ہوتی۔ ماحول کی ایک سوئی دیکھ
کر اس پر پتھر چلانے کا حربہ بہت پرانا ہو چکا ہے۔
ہر اور سوچنے والی ذہنیت پر غیروں کی ورغلی ہوتی
ہے۔ لوگ سوچتے کب ہیں۔ خالصہ تو ایک فرض کا
نام ہے۔ ملک کے لئے آتم بلیدان کا نام ہے۔ مگر گولو نے
کبھی ۱۶۹۹ کی خوشی شروعات کے نام پر خونی تاریخ
لکھنے کی ہر نیت کہاں تک صحیح اور جائز ہے..."

جھلک گئے جگجیت۔ اب بوڑھا ہو گیا ہوں
چل پھر نہیں سکتا۔ دنیا بھر کا مرض۔ ہائی بلڈ پریشر۔
ہائپر ٹینشن۔ ہارٹ انفیکٹیڈ۔ کون جانتا ہے کہ ان ہاتھ
اور ہوا رہے ہنگاموں کے درمیان کب آنکھیں بند ہو
جائیں۔ اچھا ہے۔ آنکھیں مسکراتی ہیں۔ ... کبھی
سے بھی کبھی مہندر کو دیکھ لیتی ہیں۔ مہندر...

گھر آئے تو اچانک خیالوں کے سارے تانے
...نے بکھر گئے۔ مہر اپنی تیلی کے ساتھ فیصلہ کن انداز
میں کھڑا تھا۔

بابو جی! مجھے بھی جانا ہوگا۔

اچانک وہ سُن سے ہو گئے۔

مہر نے نظریں نیچی کر لیں۔ بات آگے بڑھانی
...روز ہو رہی جھجک جھجک سے اب تنگ آ گیا ہوں
...ندر کی بات میں نوکلے سے نیچے اتار دینا ہوں پڑتی
...ہا نا رہا تی... اب میرا بھی چھوٹا بیٹا ہے ایک پوری
...ی ہے۔ سکھ بارٹی میں آپ نے میرا جو مکان کرائے
...اٹھایا تھا اسے خالی کروا لیا ہے۔ کچھ سامان
بھجوا دیا...

ڈرتے ڈرتے ٹوٹے ٹوٹے لفظوں میں مہر
...رہا ہے... وہ جیسے بجلی کے ننگے تاروں کو چھو گئے
...ہا... کیا بولیں۔ کیا کہیں... دل میں چبھے ایک
...تر کے بعد دوسرا چبھنے والا یہ نشتر کیسے برداشت کر
...لتے ہیں۔ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بیٹا مت جاؤ۔ دل
پہلے ہی ایک زبردست چوٹ لگ چکی ہے۔ مگر بیٹا
تو بچا ہے گئے حالات کی گرفت میں پھنس چکا ہے
...مان جائے گا؟

ممکنات۔

پھر بھی ان تمام سمجھوتوں کے باوجود آنکھ
...وں میں تیز لمبی چلتی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے
...نے نظر مہر کی تیتی کشلا اور بچے پر ڈالتے ہیں...

سب چلے جاؤ گے؟

مہر آواز کو نگی ہو گئی ہے۔ ہرمندر پہلے
گیا۔ اب تم بھی۔ اب تو میں خالی خالی ہو گیا ہوں
سوچا بھی نہیں۔ اس بوڑھے کا کیا ہوگا؟ تم نے اس
بوڑھے کو تو دو حصوں میں بانٹ دیا مگر تم کیا
جانو — دو حصوں میں بانٹے جانے والا یہ بوڑھا کتنے (کئی)
اندر کئی حصوں میں بٹ چکا ہے۔

گھر میں تنہائی ہے۔ تنہائی کے شب و روز
میں جگجیت سنگھ خلا میں اٹھنے والے بادلوں کے ہجوم
میں کبھی کبھی پیدا ہوتی شکلوں میں ان نقشوں کو گھورا
کرتے ہیں، جو لاوارث سی دکھائی دیتی ہیں۔ پنجہ صاحب
پڑھتے پڑھتے آنکھوں سے لہو جاری ہو جاتے ہیں۔
لبا ہا بہت دن سے سونی ہو گئی ہے۔ کبھی دروازے پر
بیل بجتی ہے تو دو چہرے دکھنے میں آتے ہیں۔ خمیدہ
کمر والا بوڑھا برہان الدین، گلوکوں کی ماری آنکھیں
لئے شاستری۔ شام کے وقت اکثر خاموش چہروں
کے ساتھ نظر آتا ہے... ہرمندر۔ مہر۔ اس کے بچے۔
مگر اب ایک سمجھوتا ہے۔ فاصلوں کا۔

بدلتے ہوئے وقت نے کتنے نشتر اندر چبھو دیئے
زمانے اور حالات نے پیٹھ میں کیسے کیسے خنجر بھونکے،
ہرمندر کی آنکھوں میں شعلے ہر نئے واقعات کے بعد کتنے
اور یہ بے حس بوڑھا اپنی گھریلو بے تعلقی کی بنا پر بس
ہی کیا کرتا۔ صرف سنتا رہا۔ کہ گولڈن ٹیمپل میں
پولس اور اکالیوں میں زبردست جھڑپ ہوئی۔ کئی
روز تک لگاتار گولیاں چلتی رہیں۔ بھنڈراں والا
مارا گیا۔ لونگووال پولس کی حراست میں... سارا
پنجاب جل رہا ہے۔ سلگ رہا ہے... ہرمندر کی آنکھوں
میں شعلوں کی لپک ہے... ہر حادثے اور واقعات کے
بعد ایک نیا تیور... سکھ رجمنٹ سے کچھ فوجی

بغاوت کر گئے ....

دھلک سے ہو گئے ہیں جگجیت ۔ اری یہ ایسی بات .. سر جھک گیا .. واقعات کیا کیا کر رہا ہے ہوگے کون کون سی زہر بھرے جام پلائیں گے ؟ اب طاقت نہیں ہے گرنتھ بابا ...

واقعات کی یورش نے ہرمندر کو بوکھلا دیا ہے

... بابا اب سارے چہرے اجنبی لگتے ہیں .. وہ چہرے جو آس پاس بستے ہیں نہ ان چہرے ہیں بھگوا کتے ہیں ہمارا مذاق اڑاتے ہیں ۔ بسوں اور گاڑیوں میں صرف ہمیں روک کر چیکنگ کی جاتی ہے ... ہم یہاں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہے ہیں بابو جی ... ہمارا سکون اڑایا جاتا ہے ... ہم پر فقرے کسے جا رہے ہیں ...."

جگجیت بابا کو کھانسی اٹھی ۔ پھر کھانستے چلے گئے .. کھانستے کھانستے بے دم ہو گئے ۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں ۔ کیا کہتے ۔ کس نے اجنبی بتایا تم کو ۔ خود ہی اجنبی بن کر اجنبی سے بنانے کا رونا کیوں روتے ہو .... پھر کھانسی اٹھی .. بے دم سے ہو گئے شاید اب نہیں بچوں گا ۔ حالات نے کسی لائق نہیں چھوڑا ۔ آنکھوں کے آگے گہرا اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے چکر اٹھ رہے ہیں ۔ چہروں سے سارا خون غائب ہو گیا ہے ہرمندر گیا تھکے ہارے بستر پر گر گئے ہیں ۔ بغل میں بھیشم کھڑا ہے ۔ پڑا لو کر ۔

بھیشم ! بچوں اور دوستوں کو خبر کر دو .. اب تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں ۔

آنکھوں کے حلقے گہرے ہو گئے ہیں ۔ ایک ساتھ سب گڑے مردے آنکھوں میں چھا گئے ہیں ۔ موراں بہن ۔ امریندر ، مندر ، اور سب کے سب .

آنکھیں ڈوبتی جا رہی ہیں ...."

ہر خیریت پوچھنے آیا ہے ۔ ہرمندر ... بچوں سمیت آیا ہے .. بھیشم نے جا کر ... شاید بابا صاحب اب نہیں بچیں گے ... ہیں .. پائینتی کے پاس پریان اور ... یں اداس پریشان .. آنکھوں میں ... بوڑھے ! کیا بازی تم ہی ہار جاؤ گے ؟ ... تم ہی ہو .....

دھندلی دھندلی آنکھوں سے ... ہوتے ہوئے چہروں کو تک رہا ہے ... میرے دل کے کئی ٹکڑے ہو چکے ... نشتر چبھے ہیں ۔ اتنے نشتر ... دکھا سکتا ہوں ۔ !

شمیم بارک پوری
بنگلہ دیش

آواز کا ماتم

میدان میں لوگوں کا جم غفیر تھا، ایک
دائرے کی شکل میں کھڑے تھے، شور و غل سے
فضا گونج رہی تھی، کوئی تالیاں بجا رہا تھا تو کوئی
شاباشی دے رہا تھا، ماحول گرد سے اٹا ہوا تھا،
عوام کے دائرے کے درمیان دو شخص مرغ
لڑا رہے تھے، لوگ سامعین بنے داد و تحسین کے ڈونگرے
برسا رہے تھے، دونوں مرغ باز بڑے جوشیلے
جنگجو نظر آرہے تھے پسینے سے شرابور ہاتھ
اٹھا اٹھا کر چلا رہے تھے،

دونوں ماہر مرغ باز تھے۔ مرغ بازی ان
کی روزی کا ذریعہ تھی، وہ نہ صرف اپنے فن میں یکتا
بلکہ مرغ کی فطرت سے بھی واقف تھے،
مرغ کافی توانا اور ہٹے کٹے تھے۔ دونوں
ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ وہ
ایک ایک کر وار کر رہے تھے۔ اپنے اپنے پر
اور پنجوں سے حملہ آور تھے۔ کبھی ایک
دوسرے کو پچھاڑ دیتا، کبھی دوسرا اس پر حاوی
غیض و غضب جنوں کی حد کو پار کر چکے
وہ ایک دوسرے کی تکا بوٹی کر دینا چاہتے

تھے۔ غصے کے مارے ان کی گردن کے پر کھڑے ہو
گئے تھے۔ ان میں ایک کا رنگ سرخ تھا اور دوسرے
کا سفید!

دونوں مرغ باز اپنے اپنے مرغ کو کھلا پلا
کر خوب تگڑا اور طاقت ور بنا چکے تھے۔ وہ انھیں ایک
دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے شہہ دے رہے
تھے

"میرا مرغ شیر کی طرح بلوان ہے۔ ہے کوئی مائی کا لال
اس کے مقابلے کا؟!!
ذرا ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون کس پہ بھاری ہے!!
دو میں نے اپنے مرغ کو زبردست تربیت دی ہے"
"میرا مرغ دانہ کھا کھا کر اتنا زور آور ہو گیا ہے کہ کوئی
اس کے مدمقابل ٹھہر نہیں سکتا!
"ارے میاں جاؤ۔ شاید تمہیں میرے مرغ کی جانبازی
اور آگرسی کا اندازہ نہیں"
"وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ ابھی حقیقت سامنے آجائے
گی۔"
"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، دیکھنا تمہارا مرغ گیدڑ
کی طرح دم دبا کر بھاگ جائے گا۔"
"میرا مرغ کوئی ایسا ویسا نہیں، تمہارے مرغ کو دن
میں تارے نظر نہ آئے تو کہنا"

اب دونوں مرغ باز اپنی اپنی آستین چڑھا کر
ایک دوسرے کو آنکھیں دکھانے لگے تھے۔ ان میں
نوک جھونک شروع ہو گئی تھی، ایک دوسرے کو کھا
جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر کوئی
بھی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے کو تیار نہ تھا،

صفدر

انشائیہ

کچھ موت کے بارے میں

طبیبوں نے موت سے فرار اور حکیموں نے موت کے اسرار پر محنت کی۔ طبیب کا سر ... پر ختم ہوا اور حکیم کو ہر زاویے پر موت ایک ٹھوس حقیقت ملی۔ کہیں کوئی رخنہ نہیں۔ فرار اور ... یہ کوشش تا حال جاری ہیں مگر رزم گاہ میں ہتھیار ڈال دینے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ بعض ... طبیبوں نے جب دیکھا کہ موت ناگزیر ہے تو نیم حکیم ہونے پر قانع ہو گئے۔ اس فعل میں ایک تو خوف ... شامل ہے دوسرے خوشامد کا کہ اے موت! میں تیرا ایجنٹ ہوں۔ یوں تو ساری خلقت از خود ... چلی آ رہی ہے مگر اٹھا کر تیرے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔ قبول فرما۔ موت کو ایسی ... کسی ... ہوتی۔ اس لیے وہ با اختیار خوشامد پسندوں کی طرح متاثر نہیں۔ لہٰذا خوشامدیوں کو ... نہ زبردستی لا ڈالے گئے فریادیوں پر دروازہ کھولتی ہے۔ جس کا نمبر آتا ہے، اس کے لیے در ...

موت کے تعلق سے فکر و اظہار اور تدبیر و تشہیر کا سلسلہ آفرینش سے جاری ہے۔ انفرادی ... گروہی کوششوں کی حدوں سے نکل کر یہ عمل بین الاقوامی سطح تک آ پہنچا ہے مگر انفرادی، گروہی، بین الاقوامی سب کوششیں یو۔ این۔ او۔ (U.N.O.) کی کوششیں ہو کر رہ گئی ہیں ... کا نمبر آتا ہے، ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں کہہ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ لواحقین اس ... قائم کر کے خوش ہو جاتے ہیں اور موت کو دعا دیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ موت کو دعا گوئی کا ... کم ہی نصیب ہوتا ہے اکثر لوگ موت کو کوستے ہوئے ساغر توڑ دیتے ہیں کہ ہمیں ...

زندگی کی بہار و خزاں یوں تو آپ ہی اپنا جواز معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کیجیے تو ... کھلونا ہے جسے موت نے چابی بھر کر میدان میں چھوڑ دیا ہے۔ سارے انسانی رویے ... موت کی طرف آدمی کے رویے سے متعین ہوتے ہیں۔ رشوت لینے والا افسر ہو ... بنیا ہو یا کسان کی شہ رگ میں دانت ....

ہاڑے خون پینے والا سرمایہ دار سامنے زندگی کا عیش بٹورتے دیکھ کر مجھے ... ہے یہ سب اس شخص کے مانند ہیں جو چوری چھپے باغ میں گھس پڑا ہے اور دانت سے انت تک بڑی سرعت سے اس خوف کے زیر اثر مصروف ہا ہے کہ باغ کا رکھوالا اپنے ڈنڈے کے ساتھ کوئی دم میں آنے کو ہے۔ موجودہ مفت خوروں سے سابق مفت خوروں تک سب کا حال ایک سا ہے کہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

انسانوں کا ایک طبقہ ان عیش کوشوں کی ضد ہے اور یہ قلندروں پر مشتمل ہے یہ منظر بھی دیدنی ہے قلندر نے آنکھ کھولی اور ایک انگڑائی لیکر کھڑا ہو گیا۔ موت نے اپنا چابی کا گھوڑا کہ زندگی جس کا نام ہے آگے بڑھا دیا۔ چابی کا گھوڑا چھن چھن کرتا آگے آیا۔ قلندر نے ایک عارفانہ قہقہہ لگایا اور ڈگ بھرتا آگے نکل گیا۔ اب افق سے افق تک آگے آگے قلندر کا قہقہہ ہے اور پیچھے پیچھے چابی کے گھوڑے کی چھن چھن۔ آخر موت نے اپنا گھوڑا اٹھا لیا اور قلندر افق کے اس پار ۔ واللہ! لطف آگیا! مگر غور کیجیے کہ اگر زندگی چابی کا گھوڑا نہ ہوتا تو ... اور جو کچھ بھی ہوتا مگر یہ سچ ہے کہ قلندر نہ ہوتا۔

انسانوں کا تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو گویا قلندر اور عیش کوش کا کاک ٹیل ہے۔ یہ پہلے تو باجے گاجے سے شادی کرتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر گردن سے جوا پھینک کر مسجد کا گوشہ سنبھال لیتے ہیں۔ ان میں نہ عیش کوشوں کا حوصلہ ہوتا نہ قلندروں جیسا ضبط۔ گویا خواہش کے برخلاف حالات کے تانڈے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر دل! اس میں تو "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے" لہٰذا اپنی سلطنت سے بھاگ کر حور و غلماں کے حصول کے لئے ہانپ ہانپ کر وظیفے پڑھنے لگتے ہیں۔ ایک ایسے ہی لا اماں برباد کی بیوی سے اس کی پڑوسن نے پوچھا کیوں جی! سنا ہے تمہارے میاں اب گھر بار چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ رہے ہیں۔ جواباً عرض کیا گیا اجی ہاں! وہ کہتے ہیں اب اگلیں بھول جاؤ ہم تو حور و غلماں کے ہوتے ہوئے ان کے تو عیش دیش وہاں کہاں! وہاں تو ہر جمعہ کو آواز ملتی ہے ــــ بھائیو! دل کھول کر چندہ دو مولوی صاحب کی تنخواہ نہیں نکل رہی ہے

بھیڑ سے نکل کر زندگی پر نظر ڈال جائے تو لگتا ہے دنیا کی حالت اس قیدی کی سی ہے جسے موت کی سزا سنائی گئی ہو اور پھانسی کے اونچے چبوترے پر کھڑا کر کے آخری خواہش کے طور پر پوچھا جا رہا ہو بتا تیری رضا کیا ہے!

ہم نے یہاں تک لکھا اور اپنے ایک بھلے دوست کو سنایا تو وہ کہنے لگے ــ میاں! ہوش کے ناخن لو! ہم بھی وہ لوگ ہیں کہ موت بھی یاد کرے گی۔ ہم نے پوچھا کیا تم موت کو شکست دے سکتے ہو؟ فرمایا نہیں نہ جیتنا ہے نہ ہارنا ہے مگر زمرگ ایک بار پٹھان کے ڈیرے میں آگئی ہے تو ایسے لوٹائے گا نہیں۔ موت آئی تو اس کے ساتھ میں۔ فوجداری ... جاؤں گا۔ میری زندگی نہیں۔ یہ ذمہ اپنے بیٹے فوجدار خاں کے حوالے کر دوں گا کہ بیٹا! اس کی پوری حفاظت کرنا اور اس میں اضافہ کر

نصر قریشی

دعا

دشت جاں میں موسم گل کا پیمبر بھیج دے
پیاس کے صحراؤں میں بہتا سمندر بھیج دے

سایۂ دیوار سے محروم ہے سورج کا شہر
دھوپ میں ننگے سروں پر بھیگی چادر بھیج دے

بے نواؤں کا نہیں ہے کوئی ہمدم، ہمنوا
غمزدوں کے واسطے ہمدرد لشکر بھیج دے

یہ سفر مسدود راہوں کا، بھٹک جائیں نہ ہم
خضر صورت لے رہا ہو، ایسا رہبر بھیج دے

روشنی ظلمت کدوں میں قید ہو کر رہ گئی
اس پرندے کے لئے آزادی کے پر بھیج دے

شاہراہیں قتل گاہیں ایک سی لگنے لگیں
بجھتی آنکھوں کے لئے خوش رنگ منظر بھیج دے

ایک سیلاب بلا ہے ہر طرف پیچھے لگا
کوئی گوشہ عافیت کا اس زمیں پر بھیج دے

نصر آزردہ ہوا کھا کر فریب دوستاں
کوئی سچا مونس و غمخوار، دلبر بھیج دے

نفیس بانو

دھرتی ماں

(انسانی درندے)

درد سے کراہتی ہوئی
ایک نڈھال جان
نحیف و ناتواں
آنکھیں ویراں
زلف پریشاں
زندگی گریزاں
موت خنداں
مسیحا حیراں

سن رسیدہ
کمر خمیدہ
ٹانگیں بوسیدہ
زرد چہرے پر جھریوں کی باریک چادر
شکن آلود
میلی میلی
یا ـــــ
کسی دریا کا سوکھا ہوا سینہ
جا بجا دراڑیں
یا ـــ

کس بپتٔ کا غبارہ ـ مسلا ہوا. سکڑا ہوا
کانپتے تھرتھراتے لبوں پر
درد آلود تبسم رقصاں
جا بجا ہونٹوں کی کھال ادھڑی ہوئی
جیسے کسی دلدل کی تہہ دھوپ سے اکھڑی ہوئی ،
پھر بھی نیلے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی
اُف !
تقدیر کی سیاہی بدن پر اتری ہوئی
یہ کون ہیں اس کے ارد گرد؟
منڈلاتے ہوئے لاش پہ جیسے گدھ!

یہ وہ ہیں ! یہ وہ ہیں !
جنکو اس نے جنم دیا۔
جن کو اس نے خون پلایا
جنکو سینے پہ وان چڑھایا۔

ماں کی دولت کے بھوکے۔
یہ انسانی درندے۔
ماں دم توڑ رہی ہے۔
دولت بیٹوں میں بٹ رہی ہے۔

نیر جہاں

(کینیڈا)

ایک دوست کی بات

اس سے پہلے کہ یہ گنگناتے قدم
منزلوں کے تصور سے سرشار ہوں
دوست ایک بات سن
میرے ماضی کے سائے ہیں اب تک جواں
میرے چہرے پہ لکھے اندھیرے نہ پڑھ
اور یہ نہ سمجھ
تجھ سے پہلے عنادِ خانۂ دل میں انوار و نکہت کے سیلاب آئے نہ تھے
تجھ سے پہلے محبت کی لذت سے یہ گوش و لب آشنا ہی نہ تھے
دل کو اک دوسرے دل کی دھڑکن سے نسبت نہ تھی
میٹھے خوابوں سے آنکھوں کی گودی بھری ہی نہ تھی
دل اکیلا مسافر غریب الوطن۔ راحتِ ہمسفر کا شناسا نہ تھا
فرق اتنا ہے لیکن کہ اس مرتبہ
دل میں روشن ہوئی ہے جو چھوٹی سی لو
اس کے جلنے کا انداز کچھ اور ہے
جیسے درگاہ پر جل رہا ہو دیا

اسعد بدایونی

اجنبی منظروں کے درمیاں

ساربان
اب کے تو نے یہ کس دشت میں
ناقۂ ناتواں لا کے ٹھہرا دیا
چار جانب جہاں ایک اسرار ہے
یہ کیسی خموشی ہے — جس میں
کوئی بولتا لگ رہا ہے
یہ کیسی ہوائیں ہیں
ان میں عجب باس ہے
یہ کیسے مناظر ہیں
جن کو مری آنکھ سے واسطہ
کوئی پہلے نہ تھا
یہ ندی: کہ جیسے کوئی اژدھا سا پڑا ہو
یہ اشجار: گویا کہ بدست ہاتھ کھڑے ہیں
مکڑیوں، بچھوؤں کی طرح لگتے ہیں
فرش پر جتنے پتے پڑے ہیں
یہاں میرا خیمہ نہ استادہ کر
پشتِ ناقہ سے اسباب مت کھولنا
یہ زمیں مقتلِ دوستاں لگ رہی ہے
یہ ہریالی مجھ کو خزاں لگ رہی ہے

حمید الماس

ابواب

آنسوؤں سے
رات دن لکھی ہوئی نظموں پہ تم
رحم مت کھاؤ
دعائیں دو کہ
ان نظموں میں
میری زندگی کے مختلف ابواب ہیں

عادل ادیب

حاصلِ سفر

جوان خوبصورت سجل اور شگفتہ
نکلتے ہوئے روز و شب کا تسلسل
محبت مسرت کے سیال موتی
حسین شوخ لمحوں کے تابندہ ذرے
ہے کتنا درخشاں
سفر زندگی کا !

نظمیں

فضا کوثری

تخلیق کا بدن چھلنی

برقِ الفاظ کی جو کوندی ہے
آج ٹکرا گئی ہے فکر دل سے
زلزلہ سا زیادہ ذہن میں ہے
شہرِ تخئیل گرد گرد ہوا
انگلیاں ہیں شعور کی زخمی
چہرۂ فن پہ آگئی ہے خراش
حرف کی دسترس میں ہے اظہار
دائرے میں ہیں قیدِ صوت و صدا
کون زیر و زبر میں الجھے گا
جب ہو تخلیق کا بدن چھلنی !

مصطفےٰ مومن

انجانے خوف سے
اپنی دسترس سے باہر
اونچے لمبے پیڑوں کے جسم پہ
ایک کالا سایہ
قرنوں پرانا
وقت کو للکارتا ہوا
بارش میں بھیگتا ہوا
سر پہ اوڑھے ہوئے گردِ سفر
بے جان و بد حال
درختوں کے چہروں کو تکتا تھا

غزلیں

حامدی کاشمیری

(۱)

چمکے گی آیت جبیں آخر — آئے گا ان کو بھی یقیں آخر
کیسی پرچھائیوں کا علیہ تھا — نکلے راہوں پہ سب مکیں آخر
لکھتے ہیں خوں سے فلک محسو — ہونگے آسودۂ زمیں آخر
یونہی موج دھوا سے لڑتے رہے — سن ہی لوگے صدا آفریں آخر
ان چٹانوں کی خامشی پہ نہ جا — ہو گئی یہ حشر آفریں آخر
تیری منزل کہاں ہے دوست نہیں — ہم پہنچ جائیں گے کہیں آخر

(۲)

خواہش صبح نور کر لیں گے — یہ اگر ہے تصور کر لیں گے
بے اثر ہونگے ان کے منصوبے — فاصلے کس کو دور کر لیں گے
کتنے کوہ گراں عبور کئے — ایک یہ بھی عبور کر لیں گے
ہو گا پرچھائیوں سے کیسے مفر — آئینے چور چور کر لیں گے
کتنے برسوں سے رت بدل دیکھے — اب بحری عبور کر لیں گے
ہے خبر ان کو شعلہ خواری کی — آزمائش ضرور کر لیں گے

مخمور سعیدی

وہ ملے بھی تو ہم سے بچھڑنے کے لئے
دل کا آنگن جو بسا بھی تو اجڑنے کے لئے
ڈوبتے پھرتے ہیں کچھ خواب ہوا میں میرے
تتلیاں ناچ کے جنگل میں بکھرنے کے لئے
ٹھنڈی چشموں کی طلب کے چلے آئے ہیں ہم
ایڑیاں، جلتی زمینوں پہ رگڑنے کے لئے
رنگ، کچھ ایسے بھرے تھا کہ جہاں میں ہم نے
کوئی تصویر بنی بھی تو بگڑنے کے لئے
بھربھری ریت کے مانند بھی ہر سخت زمیں
ہر شجر تھا کسی آندھی میں اکھڑنے کے لئے
اپنا انجام سفر کیا تھا بکھرنے کے سوا
ہم بگولوں سے چلے آئے تھے لڑنے کے لئے
آپ اپنے ہی سے مخمور جھگڑتے رہے لوگ
کس کو فرصت تھی زمانے سے جھگڑنے کے لئے

غزلیں

شاہد لطیف

کسی کی نظروں میں بس گئے ہیں اداس منظر سراب چہرے
کسی کی آنکھوں میں جھانکتے ہیں مسرتوں کے گلاب چہرے
ہمارے اندر بھی جل رہی ہے اک آگ دوزخ کی آگ جیسی
ہمارے جسموں پہ رکھ دیئے ہیں نجانے کس نے عذاب چہرے
تمہارے جاتے ہی آندھیوں نے ہماری بستی کا رخ کیا تھا
کبھی جو آؤ گے دیکھ لینا ورق ورق ہیں کتاب چہرے
ہمارے چہروں پہ خاک ملتے ہیں زندگی کے کئی تقاضے
میں جانتا ہوں سوال دن کا نہ دے سکیں گے جواب چہرے

شاداب رضی

ہر گھڑی سنگ ملامت خود پہ مت پھینکا کرو
بے کسی بڑھ جائے گی خود سے نہ یوں الجھا کرو
کیا حقیقت ہے تمہاری خود عیاں ہو جائے گی
ایک ناقد کی طرح خود کو کبھی پرکھا کرو
چاند میں دھبا ہے لیکن چاندنی بے داغ ہے
وصف کی میزان میں ہر شخص کو تولا کرو
تلخیوں کی راکھ میں لذت کی چنگاری بھی ہے
یہ حقیقت ہے اسے تم لاکھ جھٹلایا کرو
حادثہ کیسا ہوا جو لوگ پتھر بن گئے
تم بھی میرے ساتھ اس موضوع پر سوچا کرو
تم بھی پوجے جاؤ گے شاداب سورج کی طرح
شخصیت کی روشنی ہر سمت پھیلایا کرو

ذہن کی روشنی کے تمام رستے دھواں دھواں سے منور کریں ہم
جب ہٹا جائے گی دیکھا لینا نظر آئیں گے ہم

غزلیں

خورشید طلب

یف سوکھے بدن پہ زیور نیا نیا سا
انی آنکھوں میں قید منظر نیا نیا سا
اس گونگی علامتوں کو زباں عطا کر
اش دست ہنر سے پیکر نیا نیا سا
ں جب بھی سیراب ہو کے نکلتا ہوں اکی جا
جانے لگتا ہے کیوں سمندر نیا نیا سا
کسی میں بھی تازگی کی رمق نہیں تھی
ر تو آتا تھا ہر کلینڈر نیا نیا سا
ں پرانے نہ ہوں مراسم مرے تمہارے
شتہ مجھ کو لگے ترا گھر نیا نیا سا
سخنور کی راہ ہموار کر رہا ہے
ب تمہاری غزل کا تیور نیا نیا سا

شاہد ساگری بھوپال

مہ و نجم ہیں سورج کے گھر میں رہتا
تمہارا حسن تو سب کی نظر میں رہتا
ہر ایک مسافر ہستی سفر میں رہتا
خیالِ گردشِ شام و سحر میں رہتا
وہی خلوص ہو باہم گلوں میں
وہ ربط خاص جو دیوار
ٹھیک کے جا نہیں سکتا
ترے خیال تری رہ گ
حصیر ق رات کا شکو
یک آفتاب
میں آسماں
یہ آسماں تو مرے
رہ طلب میں
کھلن سے پ

ڈاکٹر رابعہ فخرالدین

غزل

چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں
سستے کرائے کی چاہیں تھیں

بازاروں سے کیا لائے ہم
بازاروں میں سڑتا ہیں تھیں

گھر پر سبزہ اگا ہوا تھا
ہری بھری سی دیواریں تھیں

شہزادوں نے شہد اور میرا
ہاتھوں میں [illegible] پائیں تھیں

اونٹ کی پرچی کا حاصل تھیں
آتی جاتی سرکاریں تھیں

سورج گہن تھا جب تک صابر
ویراں ویراں سب سڑکیں تھیں

انیس انصاری

یہی بہت ہے

یہی بہت ہے کہ تم میرے پاس بیٹھ کر مسکرا رہی ہو
مجھے شرارت سے چھیڑ کر زیر لب یونہی گنگنا رہی ہو
جھکی نگاہوں سے چھن رہی ہیں ابھرتے سورج کی نرم کرنیں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تھکے بدن کو دبا رہی ہو
کہ تم سے پہلے کے میرے ساتھی سیاہ گلیوں میں کھو گئے ہیں
پرانے رشتوں کے سب مکاں رات کے اندھیروں میں
وہ پھول چہرے جو میری خاطر چراغ روشن کئے ہوئے تھے
کڑے دنوں کی مسافتوں میں تھکن سے خود چور ہو گئے ہیں
دھنک کی مانند چند لمحوں میں غالباً ڈوب جاؤگی تم
[illegible] کی مثل المماریوں میں مجھکو سجاؤگی تم
[illegible] کہ جل رہی ہوا کبھی ہو میں چراغ بن کر
[illegible] چہروں میں تم کو ڈھونڈا کروں گا اور نہ پاؤگی تم
یہی بہت ہے کہ تم میرے پاس بیٹھ کر مسکرا رہی ہو
مجھے شرارت سے چھیڑ کر تم نہ جانے کیا گنگنا رہی ہو
جھکی نگاہوں سے گر رہی ہے پھوار شبنم کی قطرہ قطرہ
نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے مجھ میں سما رہی ہو
یہی بہت ہے، یہی بہت ہے کہ تم میرے پاس آ رہی ہو

تبصرے

نام کتاب :- رسوا سر بازار
مصنف کا نام :- فضل حسنین
کتاب کی قیمت :- آٹھ روپئے
ملنے کا پتہ :- کتابستان ۲۰ چک آلہ آباد
مبصر :- اسرار گاندھی

اردو ادب میں طنز و مزاح نگار کی کمی ہمیشہ محسوس کی گئی ہے ایسے میں جب اس میدان میں کوئی نیا نام سامنے آتا ہے تو اس کی تخلیقات کو پڑھنے کے لئے اپنے آپ ایک جذبہ بیدار ہوتا ہے ایک خواہش پیدا ہوتی ہے۔

ایسی ہی خواہش اس مجموعہ کے سلسلہ میں بھی پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس مجموعہ کے خالق فضل حسنین اس میدان میں اتنے نئے نہیں ہیں اعتراف میں وہ لکھتے ہیں — "سچ پوچھئے تو اس مجموعے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ بیشتر مضامین مختلف جرائد میں شائع ہو کر پہلے ہی "رسوا" ہو چکے ہیں لیکن کچھ خیر خواہوں کا خیال تھا کہ بغیر مجموعہ شائع ہوئے کوئی بھی تخلیق کار مستند نہیں سمجھا سکتا (اسی لئے) یہ مضامین مجموعی "رسوائی" کے لئے ... کئے جا رہے ہیں۔"

اور یہی مجموعی رسوائی طنزیہ اور ... میں ایک افسانہ بن کر سامنے آتی ہے

ان مضامین میں فضل حسنین نہ تو ... یوسفی کی بلندی کو چھو پاتے ہیں اور نہ ... قلم میں مجتبیٰ حسین جیسی تیزی اور ... اس کے باوجود وہ اپنی شناخت ضرور ... ان کے یہاں مزاح بڑے فطری انداز میں ... ہوتا ہے چاہے وہ اس مزاح کو سچویشن ... رہے ہوں یا لفظوں سے کھیل رہے ہوں ... وہ جتنا دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں اس ... زیادہ اپنا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں ... کی پوری ذہانت نظر آتی ہے۔

فضل حسنین اپنے مزاح کا ... کو بناتے ہیں جو ہر کسی کی زندگی میں روز ... ہیں۔ انھیں واقعات کو مزاحیہ ... کرتے کرتے اچانک طنز کے ایسے ... کبھی گہرا زخم لگاتے ہیں اور کبھی تیز ... ہیں۔ صدارت سے افتتاح ... پر اپنے پھبتیوں چھوڑتے ہیں —

انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ... ہی افتتاح کرا دیا جائے صدارت ... گا۔ چنانچہ صدر صاحب کو بھی اس فیصلہ ... کیا گیا۔ موصوف نے صاف انکار ... کیا مجھے بھی کوئی نرا ... سمجھ لیا ہے کہ جب ...

تبدیل کر دیا۔ میں تو صدارت ہی کروں گا"

اسی طرح فضل حسین نے انسانی نفسیات کی تصویر کشی بھی جگہ جگہ بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ مثلاً قصہ ادیب بننے کا میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

ایڈیٹر کا خط بھی آگیا کہ ہمارا افسانہ عنقریب شائع ہونے والا ہے، بس اب کیا تھا ہمیں تو منہ مانگی مراد مل گئی......... ہم ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں سے ملاقات کرتے اور بات گھما پھرا کر اس موضوع پر لے آتے۔ مخاطب کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک ایڈیٹر کا وہ خط اس کے سامنے آئینے کی طرح نہ کر دیتے۔ اس خط کو ہم ہر وقت سینے سے لگائے رکھتے تھے۔

یہ جملے ہر اس نئے ادیب کے اندر چھپے اس جذباتی ہیجان کو پیش کرتے ہیں جس کی پہلی تخلیق شائع ہونے والی ہوتی ہے۔

اس مجموعہ میں پندرہ مضامین شامل ہیں، لیکن ہر مضمون کی دنیا ایک دوسرے سے الگ الگ نظر آتی ہے۔ کبھی وہ اس دور کے اساتذہ اور طالب علموں کا مذاق اڑاتے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی سستی بسوں کے نظام کا۔ کبھی فلاں کے ڈاکٹر اور ان کے دوا خانوں کی دلچسپ عکاسی کرتے ہیں، تو کبھی ایسی مصیبتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اچانک اس طرح آجاتی ہیں کہ انسان ہنسنے اور رونے کے بیچ معلق رہ جاتا ہے۔ قصہ ادیب بننے کا، مصیبت در مصیبت

رستہ اسر بازار، (ادبی) بزرگ، فلم کا چکر، آرفیقہ حیات بنام اپیل، بیگم کا سکول، ہتھیار اور مشورے" وغیرہ اس نوع کے بے حد دلچسپ اور اچھے مضامین ہیں۔ میرے خیال میں خواہ مخواہ ایسے ہی حد اچھا اور خوبصورت مضمون ہو سکتا تھا اگر اسے غیر ضروری طور پر DRAG نہ کیا جاتا۔ اس مجموعے کے بعض مضامین تخلیق کار کے ابتدائی دور کے مضامین ہیں جو کمزور ہیں اگر انہیں اس مجموعہ میں شامل نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

مجموعی طور پر "رستہ اسر بازار" طنز و مزاح کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اچھے گٹ اپ اور خوبصورت کور والے اس مجموعے کی قیمت اتنی کم رکھی گئی ہے کہ خریدنے کے بعد بھی لگتا ہے کہ جیسے مصنف نے آپ کو یہ کتاب تحفے کے طور پر دی ہے۔

سلسلۂ دوستی

برادر مکرم! تسلیم

اگست کے آہنگ میں میر کے کلام کی تشریح و تفہیم میں آپ نے شمس الرحمن فاروقی صاحب سے زیادہ سلجھے ہوئے تنقیدی نقطۂ نظر سے کام لیا ہے۔ فاروقی صاحب واقعی الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اکثر دور کی کوڑی لائے ہیں۔ انہوں نے بعض الفاظ کے معنی بھی کنفیوژ انداز میں پیش کیے ہیں

ستمبر کے آہنگ میں عنوان چشتی نے محترم اعجاز صدیقی صاحب کی شخصیت پر اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے، اس چھوٹے سے سادہ و پاکیزہ و نفیس مضمون نے دل موہ لیا۔ اعجاز صاحب کا پرخلوص پیکر نظروں میں پھرنے لگا۔ واقعی وہ بہت متین و شیریں اور دوست دار انسان تھے انھوں نے کم و بیش وہ نظر التفات مجھ پر بھی کی جس کا ذکر بڑے چاؤ اور محبت سے عنوان چشتی صاحب اپنے سلسلہ میں کیا ہے۔ اعجاز صاحب دکھی دل کے لئے اور مجھ جیسے دکھی دل والے لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ "شاعر" کے جریدات اردو تحریک اور اردو زبان کے فروغ و ارتقا کے لئے جد و جہد کی ایک روشن، تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ جریدات اب اسی گہری بصیرت اور بیباکی و جرات کے ساتھ اعجاز صاحب کے لائق فرزند افتخار امام صدیقی نکال رہے ہیں

سید احمد شمیم کا مضمون "جمشید پور میں اردو زبان و ادب کا ارتقا" بڑی دل چسپی سے پڑھا۔

سید احمد شمیم نہ صرف اچھے شاعر بلکہ اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ انھوں نے جمشید پور کے ادبی ماحول کی جھلکیاں بڑی خوبصورتی سے پیش کی ہیں

ڈاکٹر محمد مثنی صاحب کا مرتبہ آہنگ میں شائع شدہ گوشوارہ بڑے شوق سے پڑھا۔ ان کی محنت و ریاضت کی داد دیئے بغیر خط بند کرنا ظلم ہوگا۔ ان کو میری طرف سے دلی مبارکباد پہنچا دیجئے۔

پروفیسر اویس احمد دوراں

مکرمی! تسلیم

چند روز قبل ایک صاحب نے آپکا بھیجا ہوا تحفہ تذکرہ شعرائے گجرات کی ایک کاپی لاکر دی۔ میں آپ کا بہت ممنون و متشکر ہوں کہ آپ نے مجھے اسی تحفے سے نوازا، میرے نزدیک کتاب کا تحفہ دنیا میں سب سے زیادہ گرانقدر تحفہ ہے اس لیئے آپ کا مرسلہ تحفہ میری الماری کی زینت بنے گا،

اس ضمن میں ایک امر کی اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی سابق لکچرر اسمٰعیل کالج جوگیشوری بمبئی نے سخنوران گجرات کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے، جس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے اسے ترقی اردو بورڈ دہلی نے شائع کیا ہے آپ

کے موضوعہ تالیف میں بعض معلومات زیادہ ہیں
اس لحاظ سے دونوں کتابوں کے باہم مطالعے
سے گجرات کے اردو شعرا کا صحیح اور مکمل علم حاصل
ہو سکتا ہے۔ آپ کی مولفہ کتابت پر رائے دیتے
ہوئے میں نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے،
خلاصہ یہ کہ آپ کی تالیف اردو شعرا
کے تذکروں میں ایک مفید اضافہ ہے اور آپ
ان کی تحسین ہیں۔ خیراندیش
پروفیسر سید حسن پٹنہ

محترمی! تسلیم
"آہنگ" اکتوبر ۸۲ء کا شمارہ نظروں
سے گذرا۔
"یہ لوگ" پر حسین الحق صاحب کا تبصرہ
تھا۔ موصوف نے اپنے تبصرہ میں جن باتوں کو خاکے
کی خوبی گردانا ہے، وہ دراصل خامی ہے۔ وہ
لکھتے ہیں "منی صاحب کی تحریر سے شخصیت
کے خارجہ سے زیادہ شخصیت کا داخل ابھرتا
ہے۔ وہ کیفیت جو بعض خاکہ نگاروں کے یہاں
ملتی ہے۔ مگر یہاں جس آدمی کی شناخت ممکن
ہے یہ وہ آدمی نہیں جو سامنے نظر آتا ہے بلکہ
وہ آدمی ہے جو اندر چھپا بیٹھا ہے ....
یہ حسن بھی ان کے خاکوں کی طرح خارجی نہیں
داخلی شے ہے"
حسین صاحب داخلی پہلو پر زیادہ نازاں
نظر آتے ہیں، اور شخصیت کے خارجہ سے
زیادہ اندرون (داخل) کے ابھارنے کو
منی صاحب کے خاکے کی خوبی قرار دیتے ہیں۔
اگر منی صاحب کے خاکے میں بقول
حسین الحق صاحب کسی شخصیت کے صرف اندرون
کو ابھارا گیا ہے تو یہ ان کے خاکے کی خوبی نہیں بلکہ
خامی ہے۔
اچھے خاکے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی
خاص فرد کا اندرون و بیرون سب کچھ قلم بند ہو
جاتا ہے، یعنی اس کا SUBJECTIVE اور
OBJECTIVE دونوں OBSERVATION
اس میں شامل ہوتا ہے۔
حسین صاحب کے تبصرہ میں ایک پیرا
گراف ایسا ہے جس کا "یہ لوگ" سے کوئی
تعلق نہیں۔
شعری حصہ میں اسعد بدایونی کی نظم
نے متاثر کیا۔
محترم! آپ کس نمبر کا اعلان کرنے
والے تھے؟
خورشید حیات

The AAHANG URDU MONTHLY - DEC - 8



"اگر میں قوم کی خدمت کرتے ہوتے مر بھی جاؤں تو میرے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہوگی۔
مجھے یقین ہے کہ میرے خون کا ہر قطرہ، اس قوم کے فروغ میں کام آئیگا اور اسے
مستحکم اور متحرک بنانے میں کارآمد ثابت ہوگا"

30 اکتوبر ۱۹۸۴ء — شریمتی اندرا گاندھی

Bran..

N. Regd. 4253/64
T. Regd. No. Gy 5/84
one—432

THE Aahang Urdu Monthly
BAIRAGI, GAYA

اور

کلام حیدری

PRICE Rs. 20/-

THE CULTURAL ACADEMY (Regd.) GAYA 1 Price 3/.